مثالی لوگ

امام موسیٰ صدر

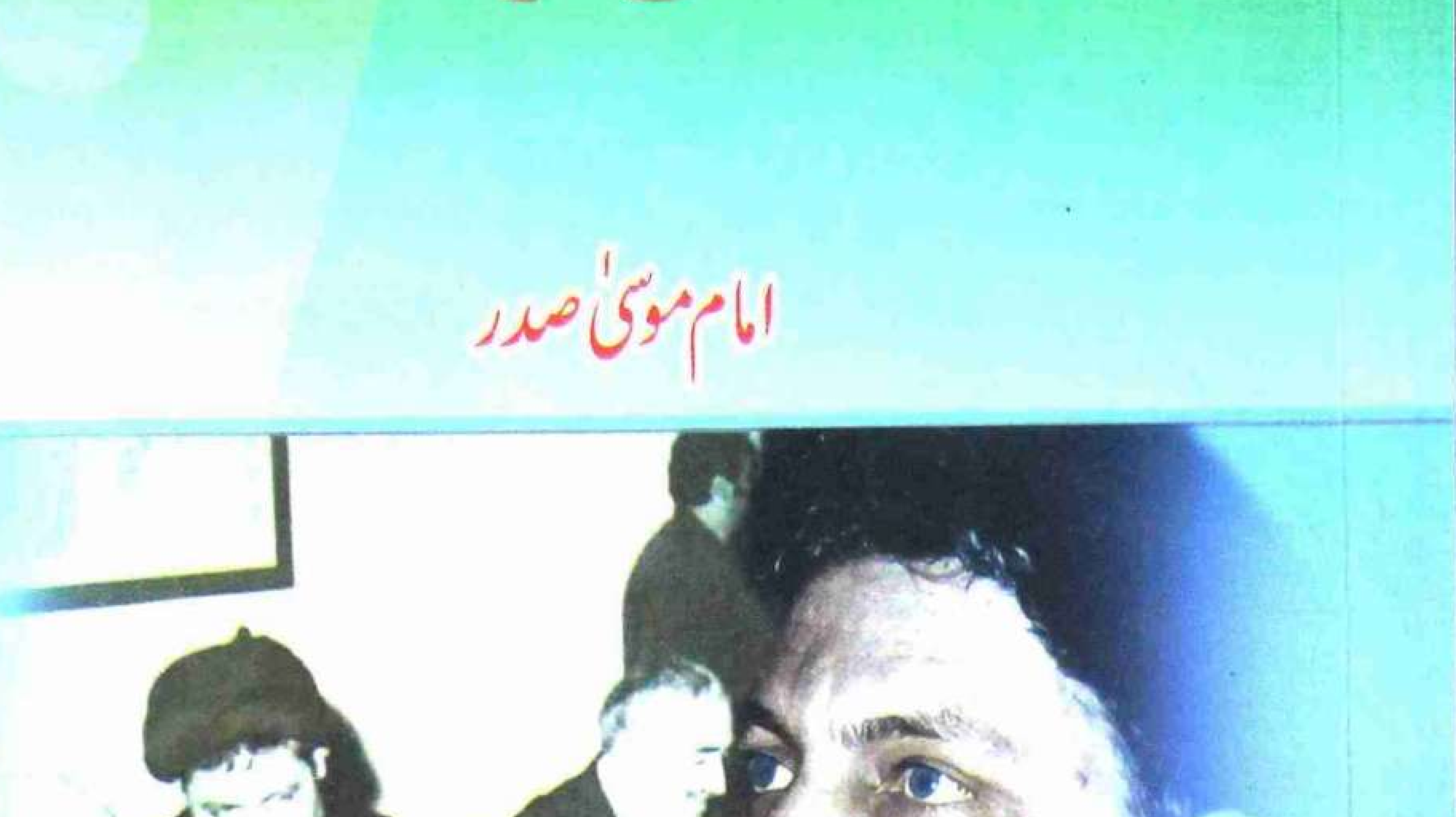

مترجم: شبیر احمد سعیدی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Acc No......................Date..........
Section........................Status..........
D.D. Class..
NAJAFI BOOK LIBRARY

مثالی لوگ (۱۰)

امام موسیٰ صدرؒ

ترجمہ

شبیر احمد سعیدی

نشر شاھد

نام کتاب......... مثالی لوگ (امام موسی صدر)

مترجم........... شبیر احمد سعیدی

تصحیح............. سید نجیب الحسن زیدی

سرورق............. محمد اشرف

ناشر.............. نشر شاھد

کمپوزنگ........... محمد عارف

فہرست

پہلی بات.................................. ۱

مقدمہ ناشر ۷

صدر نام کا گھرانہ ۱۰

لبنان ۱۶

عظیم ثقافتی مرکز ۲۷

بھیک مانگنا ممنوع........................ ۳۱

عورت؛قیمتی لیکن بے شعور ۳۵

جبل عامل.................................. ۴۲

خون بندی ۴۹

مجلس اعلیٰ ۵۵

حرکت المحرومین......................... ۶۷

سول نا فرمانی............................. ۸۰

امل ۸۸

مسلمان عیسیٰ.............................. ۹۳

فلسطین یا لبنان کی تقسیم! ۱۰۱

اور مجاہد بھاگ گئے! ۱۱۳

امام اکبر ۱۱۷

واپسی! ؟ ۱۲۲

حقیقت میں ہم سوئے ہیں! ۱۲۸

اسلامی تبلیغ میں اصلاح کی ضرورت ۱۲۹

اب دیکھتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ کار کیا ہے ؟ ۱۳۳

اب اہل سنت کی بات کرتے ہیں ۱۴۱

لیکن ہماری حالت! ۱۴۴

ہمارا دین ، دین حیات ہے ۱۵۰

پیچھے پڑے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ایک بار ہم لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ مشہد میں جتنی شراب کی دوکانیں ہیں وہ بالکل بند کروادی جائیں۔ چنانچہ ہم لوگ گورنر اور پولیس چیف مشہد کے پیچھے پڑ گئے کہ جتنی جلد ممکن ہو اس مقدس شہر میں پائی جانے والی شراب کی تمام دوکانیں بند کر دی جائیں ورنہ اس کا انجام برا ہوگا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ان دوکانداروں کے پاس سرکاری اجازت نامہ موجود ہے اور حکومت کی طرف سے ہمارے پاس ایسا کوئی حکم نہیں ہے پھر یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ ان دوکانوں کو بند کروادیا جائے۔ ان لوگوں کی اس بات سے ہمیں قطعی اطمینان نہیں ہوا اور اس سلسلہ میں فدائیان اسلام کی یہ کوشش برابر جاری رہی کہ شراب کی یہ دوکانیں بند کر دی جائیں۔ ہماری لگاتار کوشش اور دھمکیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ شراب بنانے والی فیکٹری مشہد سے قوچان نامی علاقے میں منتقل کر دی گئی۔ اس کے بعد بھی فدائیان اسلام نے خاموشی نہیں اختیار کی۔ ہم لوگ کئی بار رات میں قوچان روڈ پر اس تاک میں بیٹھے رہتے کہ جب اس راستہ سے شراب سے بھری گاڑی گزرے گی تو اسے آگ لگا دیں گے۔ ایک بار ہم لوگ قوچان روڈ پر واقع اس شراب کی فیکٹری میں جبراً گھس گئے اور وہاں اچھی خاصی توڑ پھوڑ اور ہنگامہ برپا کر دیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ شراب فروشی جو بطور اعلانیہ ہوا کرتی تھی بالکل ختم ہو گئی۔ اور فدائیان اسلام کے خوف کی وجہ سے لوگ پوشیدہ طور پر یہ کام کرتے تھے لیکن کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ کھلے عام شراب نوشی کرے۔ گو کہ ہم لوگ از روی تعداد بہت کم تھے لیکن لوگوں کی یہ مجال نہ ہوتی کہ ہم لوگوں کے سامنے کوئی بھی غیر شرعی

حرکت کر سکیں۔

سوال :۔ کیا آپ لوگ باقاعدہ مسلح ہوا کرتے تھے ؟

جواب :۔ نہیں ہم لوگوں کے پاس از قسم اسلحہ کوئی چیز نہ تھی ۔ ہم لوگوں کا پروگرام یہ تھا کہ مسلح کارگزاری کا آغاز تہران سے کیا جانا چاہیئے کیوں کہ حکومت پر قبضہ حاصل کرنا تہران ہی میں ممکن تھا ۔ مشہد میں ہم لوگ صرف وہی کام کیا کرتے تھے جس میں عام لوگوں کی بھلائی شامل ہو ۔ مثلاً جہاں کہیں غیر شرعی کام ہو ان کی روک تھام کی جاتی ۔ محرم اور صفر کے دوران یہ رسم تھی کہ رات کی مجلسوں میں تمام مرد اور عورتیں ایک ہی صحن میں جمع ہو جایا کرتے تھے اور مستورات کیلئے پردہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ کچھ شوخ اور بے شرم قسم کی لڑکیاں تو شانہ بہ شانہ چلنے میں فخر محسوس کیا کرتی تھیں ۔ میں نے نائب متولی آقائے علی معتمدی کی خدمت میں یہ تجویز پیش کی کہ مردوں کی مجلس میں عورتوں کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی جانی چاہیئے ۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ ظہر سے لے کر رات بارہ بجے تک صحن مجلس میں عورتوں کا داخلہ قطعی ممنوع ہوگا ۔ اس سلسلہ میں آقائے معتمدی نے ہم لوگوں کی بڑی مدد کی اور ہمارے ساتھ اس کام میں برابر شریک رہے ۔ شروع شروع کچھ عورتوں نے احتجاج کیا اور حکومت کی طرف سے مقرر کئے گئے لوگوں نے بھی پوشیدہ طور پر ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہی لیکن فدائیانِ اسلام کے خوف کی وجہ سے وہ ایسا نہ کر سکے ۔ چنانچہ صحن مجلس میں عورتوں کا داخلہ قطعی ممنوع قرار دے دیا گیا اور یہ پروگرام دو برس تک نہایت پابندی کے ساتھ قائم رہا ۔

اسی طرح پولیس والوں کی سرپرستی میں کچھ ایسے خفیہ مکانات تھے جہاں عورتیں جسم فروشی کیا کرتی تھیں۔ گو کہ سرکاری طور پر اس کی اجازت نہ تھی لیکن پولیس والے رشوت لیکر جسم فروشی کے ان ناجائز اڈّوں کو اپنی نگرانی میں چلایا کرتے تھے۔ جہاں تک مشہد کا سوال ہے فدائیانِ اسلام کو اس شہر کے گوشے گوشے کی اطلاع رہا کرتی تھی۔ جیسے ہی یہ پتہ چلتا کہ فلاں مکان میں جسم فروشی کا کام شروع ہو گیا ہے اسی وقت ہم لوگ پولیس کے اعلیٰ افسران کے پاس پہنچ جایا کرتے کہ فوری طور پر اس غیر شرعی اور غیر اخلاقی حرکت کو روکا جائے۔ ان لوگوں کی یہ کوشش ہوا کرتی کہ کسی طرح اس معاملہ کو باتوں باتوں میں ہی ٹال دیا جائے مگر ہم لوگ انھیں ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا کرتے تھے۔ آخر کار اس غیر شرعی حرکت پر اچھی خاصی پابندی عائد ہو گئی اور فدائیانِ اسلام کی مسلسل کوششوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ کوئی عورت آسانی سے جسم فروشی کا دھندہ نہ اختیار کر پاتی تھی۔ اسے یہ یقین تھا کہ پولیس رشوت خوری کے باوجود ان کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

سوال :۔ مصدّق کی حکومت کا تختہ الٹ جانے کے بعد فدائیانِ اسلام کا مشہد مقدس میں کیا ردِ عمل تھا؟

جواب :۔ چوں کہ مصدّق اور زاھدی دونوں ہی غیر اسلامی لوگ تھے اور غیر اسلامی سیاست پر عمل پیرا تھے لہذا ان کی حکومت کے گرنے کا فدائیانِ اسلام پر قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔ ان کی حکومت کے دوران ہم لوگوں پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں پھر بھی ہم لوگ ان پابندیوں سے قطعی مایوس

تھا۔ سیّد صدر ان افراد کی حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے اور ان عرب پرستوں کو مسئلہ فلسطین کے راہ حل میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ یاسر عرفات سے مخاطب ہو کر ایک بار کہا تھا۔

اس انتھک مجاہد کو رستے سے ہٹانے کے لئے اسرائیل اور صہیونیت کے ہاتھ منافقت کی آستین سے بر آمد ہوئے۔ اپنے آپ کو عرب دنیا کا نجات دہندہ کہنے والے، عالمی صہیونیت کے زر خرید کرنل قذافی کے ذریعہ انہیں لیبیا آنے کی دعوت دی گئی۔ سیّد موسی نے یہ دعوت قبول کی اور سرکاری دورے پر لیبیا پہنچے۔ کرنل سے ملنے جب اپنے ہوٹل سے روانہ ہوئے اس کے بعد کسی فرد بشر کو نہیں معلوم کہ سید موسی صدر کہاں گئے!! خیانتکار حکمرانوں کی یہ پست حرکت اس بات کا پتا دیتی ہے کہ ان کے لئے انسانی اصول کس قدر حقیر اور بے اہمیت ہیں۔

کیسے ممکن ہے کہ کسی ملک کے سربراہ کا سرکاری مہمان اس کے اپنے ملک میں غائب ہو جائے اور اسے کوئی خبر نہ ہو! حقیقت میں یہ سازش صہیونیت اور قذافی حکومت کی مشترکہ کارستانی تھی تاکہ عالم اسلام کو ایک نڈر، بے باک، دردمند اور صالح رہبر سے محروم کر سکیں!

یہ وہی پست اور غلط سوچ ہے جس کے بل پر کربلا والوں کو مٹانے کی کوشش کی گئی تھی لیکن مٹانے والے خود ہی نابودی کا کفن اوڑھ کر سو گئے۔ یہاں پر بھی اگرچہ سید موسی صدر کو ہم سے چھین لیا گیا لیکن جو کچھ انہوں نے ہمارے لئے چھوڑا ہے وہ عظمت اور اہمیت میں ان سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔ سید حسن نصر اللہ، حزب اللہ اور مقاومت اس عظیم رہبر کے صالح فرزند ہیں جن کی صورت میں وہ ہمیشہ زندہ ہیں۔ البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ بشریت اپنے پاکیزہ فرزندوں کی جدائی میں ہمیشہ مغموم اور

محزون ہے لیکن یہ حزن واندوہ انسانیت کا افتخار ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ انسانیت زندہ ہے۔

والسلام علی من تبع الہدی

شبیر احمد سعیدی

مقدمہ ناشر

ایران کے اسلامی انقلاب کی بہت سی برکتوں میں سے ایک ایسے ہمہ گیر چہروں کا ظہور ہے جو پوری ایک ملت کو بیدار کرنے اور اسے نئی زندگی عطا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ وہ تابناک چہرے ہیں جو ایک طرف بلند اسلامی افکار سے آشنا ہیں اور دوسری طرف میدان عمل میں بھی شریعت کی پیروی میں پیشگام ہیں، دشمنان دین کے مکر وحیلوں کو بھی جانتے ہیں اور ساتھ ہی محاذ کفر کے ساتھ برسر پیکار رہنے پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں اور شاید پوری تاریخ میں کبھی بھی امت مسلمہ آج کی طرح بڑی شدت کے ساتھ ایسے چہروں کے انتظار میں نہیں تھی۔

اس قسم کے مفکرین ایک خاص قوم و سرزمین سے بالاتر ہیں اور

چونکہ یہ لوگ خالص اسلامی فکر کے پرورش یافتہ ہیں لہٰذا ہر مسلمان کے لئے، چاہے وہ کسی بھی زبان یا قوم سے وابستہ ہو، ایک نمونہ اور آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس قسم کے تابناک چہروں کو پہچاننے کا ایک طریقہ ان کی زندگی کے ایسے مختلف حالات و واقعات کا مطالعہ کرنا ہے جن سے ان کے بلند افکار، دینی بصیرت اور سماجی کردار کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

ہمیں بہت فخر ہے کہ ہم ایسے چند ایک اسلامی مفکرین کے حالات زندگی اردو میں پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اسلامی انقلاب کی کامیابی میں ایک اہم رول نبھایا ہے ہمیں امید ہے کہ مسلمان جوان، ان عظیم ہستیوں کو اپنا آئیڈیل قرار دے کر اسلامی سرحدوں کے اندر، اسلامی فکر کی تقویت اور مذہبی اقدار کی بالادستی کے لئے کوشاں رہیں گے۔

اس مجموعہ کے لئے جن دوستوں نے تعاون دیا ہے ہم ان سب کا

شکریہ ادا کرتے ہیں خاصکر جناب شبیر احمد سعیدی کہ جنہوں نے امام موسیٰ صدر کے زندگی نامے کو اردو زبان میں ترجمہ کرنے کی زحمت اٹھائی ہے۔

انتشارات نشر شاہد

صدر نام کا گھرانہ

چودہ مارچ ۱۹۲۰ء کو کاظمین (عراق کا ایک شہر) میں ایک گروہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ یہ لوگ سخت گیر اور انگلستان مخالف مسلمان تھے اور ان کا سرپرست "صدر" نام کا ایک گھرانہ تھا جو اپنے مذہبی جھکاؤ کی بناء پر پوری دنیائے شیعیت میں معروف تھا۔

(برطانوی مؤرخ اور عرب شناس؛ گروٹروڈ ب)

اٹھارویں صدی کے آخر میں عثمانی سلطنت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ لیکن پھر بھی احمد پاشا جیسے حکمرانوں کا ظلم و ستم باقی تھا۔ جبل عامل کے نامدار عالم "سیّد صالح شرف الدین" بھی دوسرے علماء کی طرح اس کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کی لائبریری کو آگ لگا دی گئی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دو بیٹوں کو شہید کر دیا گیا اور خود انہیں بھی موت کی سزا سنائی گئی۔ لیکن خدا کی مرضی کچھ اور تھی کہ

جیلروں کو ان پر رحم آگیا اور اس طرح لبنان سے بھاگنے کی راہ ہموار ہوئی۔

تھوڑے ہی عرصے میں ان کے دو اور بیٹے "صدر الدین "اور "محمد علی" نجف میں ان سے ملحق ہوئے۔ لیکن یہ سب کچھ اس ہجرت اور جلا وطنی کی ابتداء تھی جو اس خاندان کا جزولاینفک بن چکی تھی۔ کچھ ہی سال بعد شیخ مہدی خلیسی جو کہ عراقی شیعوں کے مرجع تقلید تھے، کی جلاوطنی کے سبب سیّد صدر الدین (سیّد موسیٰ صدر کے پر دادا) بھی عراق چھوڑ کر ایران جانے پر مجبور ہوئے۔

اسماعیل، صدر الدین کے لائق ترین فرزند اصفہان میں پیدا ہوئے اور دینی علوم کی تحصیل کے لئے نجف کا رخ کیا اور اس شہر میں سکونت اختیار کی۔ کئی سال بعد وہ دنیا بھر کے شیعوں کے مرجع تقلید بن گئے اور وہ "السیّد الصدر" کے نام سے معروف ہو گئے۔ ان کے چاروں فرزند محمد

مہدی، محمد جواد، حیدر، اور صدر الدین (سیّد موسیٰ صدر کے والد) کا شمار عراق کے نامور علماء میں ہوتا تھا۔

آیت اللہ سیّد صدر الدین صدر نے اپنے والد کی رحلت کے بعد ایران کا رخ کیا۔ خراسان میں سکونت اختیار کی اور آیت اللہ حسین قمی کی بیٹی بی بی صفیہ سے شادی کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد آیت اللہ حائری کی درخواست پر قم چلے گئے۔

قم میں شیخ عبدالکریم حائری اور سیّد صدر الدین نے حوزۂ علمیہ کی بنیاد رکھ کر اور وہ بھی رضا خان کے گھٹن بھرے ماحول میں اس خطے کے شیعوں کے لئے آبادی اور ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ ان ہی دنوں میں یعنی ٤ جون ۱۹۲۸ ئ کو سیّد موسیٰ نے عرصۂ حیات پر قدم رکھا۔ قم کے محلہ ' چہار مردان ' کے ایک ایسے گھر میں جسے ان کے بقول والد

کی زندگی میں فرش نصیب نہ ہوا۔

حوزوی تعلیم کا آغاز ایک ایسے مدرسے سے کیا جس کے انتظامی ارکان میں ان کے والد کی بنیادی حیثیت تھی اور ساتھ ساتھ سائنسی علوم کے حصول کے لئے 'سنائی ہائی اسکول' میں داخلہ لیا۔ سیّد محمد حسینی بہشتی کا شمار اسی دور کے ان کے دوستوں میں ہوتا ہے۔ اسی زمانے میں علامہ طباطبائی کی طرف سے ثقافتی امور کی پہلی ذمہ داری یعنی " انجمن تعلیمات دینی" نامی رسالہ کی نظارت سونپی گئی۔

آیت اللہ حائری جیسے روشن فکر علماء کا یہ ماننا تھا کہ دینی طالبعلموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاصر علوم یہاں تک کہ مغربی آداب و رسوم سے بھی آشنا ہوں۔ اسی بناء پر جوان سیّد موسیٰ ان کی اور اپنے والد کی تائید و حمایت سے تہران آگئے اور تہران کی دانشگاہ میں داخلہ لیا۔ اس بیس سالہ

طالبعلم کی یہ حرکت ان سب پابندیوں کو روندنے کے مترادف تھی کہ جن کے سبب دینی طالبعلم الگ تھلگ پڑ چکے تھے۔ سیّد موسیٰ پوسٹ گریجویشن کی ڈگری لے کر دانشگاہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

پچیس سال کی عمر میں والد گرامی کا انتقال ہوا۔ اس واقعہ کے بعد سیّد موسیٰ نے قم کو خیر باد کہا اور دینی علوم کی تکمیل کے لئے نجف اشرف کا رخ کیا۔ نجف اشرف میں سیّد محسن حکیم اور شیخ مرتضیٰ آل یٰسین جیسے باکمال استادوں سے مستفید ہوئے۔ وہ چار سال کے بعد پھر قم واپس آ گئے۔

دسمبر ۱۹۵۸ میں آیت اللہ بروجردی کی حمایت میں اور علی دوانی، جعفر سبحانی، ناصر مکارم شیرازی، حسین نوری ہمدانی اور بعض دوسرے افراد کے تعاون سے علمی اسلامی رسالہ "مکتب اسلام" کا پہلا

شمارہ شائع کیا۔

ساواک کے ڈپٹی تیمور بختیار نے پہلے شمارے کے شائع ہونے پر اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ "قم کے حلق سے کمونسٹی فریاد! بلند ہو رہی ہے۔" سیّد موسیٰ کو بلایا جاتا ہے اور پوچھ گچھ کی جاتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد آیت اللہ بروجردی کے دباؤ میں اس رسالہ کے حقوق سیّد موسیٰ کو واگزار کئے جاتے ہیں۔ سیّد موسیٰ لبنان ہجرت سے پہلے بارہویں شمارے تک اس عہدے پر فائز رہے۔

سیّد موسیٰ ن ۱۹۵۶ میں آیت اللہ عزیز خلیلی کی بیٹی بانو پروین خلیلی سے شادی کی اور اس شادی کا ماحصل دو بیٹے سیّد صدرالدین اور سیّد حیدر اور ایک بیٹی حوراسادات ہے۔

لبنان

جنوبی لبنان خاص کر جبل عامل کو کسی زمانے میں شیعوں کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ عظیم علماء ودانشوروں نے یہاں سے کسب فیض کیا۔ لیکن عثمانی حکمرانوں کے ظلم وستم کے سبب کئی علماء جام شہادت نوش کر گئے یا پھر سیّد موسیٰ کے اجداد کی مانند ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ عثمانی سلطنت کے سقوط اور فرانسی استعمار کے لبنان پر تسلط سے جن سماجی اور سیاسی حالات نے جنم لیا انہوں نے جنوبی لبنان کے شیعوں کی پسماندگی کو دوچنداں کر دیا۔ حقیقت میں ان کے لئے سیّد عبدالحسین شرف الدین جیسے رہبروں کی موجودگی امید کی تنہا کرن تھی۔ سیّد شرف الدین کا شمار اپنے وقت کے سرگرم مصلحین میں ہوتا تھا جنہوں نے فرانسی استعمار کے

خلاف جدوجہد میں اپنی ساری عمر گزار دی۔ انہوں نے ایک ایرانی دورے کے دوران اپنے رشتہ داروں یعنی ' خاندان صدر ' سے ملاقات کے دوران سیّد موسیٰ جو عمر کے لحاظ سے ان کے بیٹے جتنا تھا، سے گفتگو کے بعد کہا تھا کہ یہ جوان طالبعلم اپنی آنکھوں سے بہت سارے حقائق کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

۱۹۵۵ میں سیّد عبدالحسین کی دعوت پر سیّد موسیٰ صور (لبنانی شہر) چلے گئے۔اس ملاقات سے شیخ کا مقصد یہ تھا کہ سیّد موسیٰ کو لبنانی شیعوں کے حالات سے آگاہ کریں۔ حقیقت میں وہ چاہتے تھے کہ اس طرح سیّد موسیٰ کے دل کو لبنان کی جانب مائل کریں اور اپنے بعد ان کی جانشینی کی راہ ہموار کریں۔ یہ ایک کامیاب سفر تھا اور سیّد موسیٰ نے ایران واپسی پر اپنے ایک نزدیکی دوست سے کہا تھا:

میں اپنا وظیفہ سمجھتا ہوں کہ ان کے لئے کچھ کروں۔ جو کچھ آپ ایران کے بارے میں جانتے ہیں میں بھی جانتا ہوں۔ شاید آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ ایران میں کافی مواقع ہیں لیکن "وظیفہ دینی" سے دامن بچایا نہیں جاسکتا۔

کچھ عرصہ بعد شیخ عبدالحسین انتقال کر گئے اور ان کے فرزندوں نے اپنے والد کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے سیّد موسیٰ کو لبنانی شیعوں کی رہبری کے لئے لبنان آنے کی دعوت دی۔ سال ۱۹۵۹ آخری ایام تھے اور اب سیّد موسیٰ اکتیس سال کے ہو چکے تھے۔ آیت اللہ بروجردی کی جانب سے اٹلی میں تام الاختیار نمائندے منتخب ہو چکے تھے لیکن لبنانی شیعوں کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اپنی بیوی اور دو بیٹوں کے ہمراہ لبنان کا رخ کیا۔ اور اسرائیلی سرحد سے بیس کلو میٹر دور "صور" نامی علاقے

میں سکونت اختیار کی۔

"لبنان اس لئے آیا ہوں تاکہ سالہا سال سے لباس روحانیت پر پڑے گردوغبار کو پاک کروں۔ "

سیّد موسیٰ اپنے قدو قامت اور خوبصورت و پرکشش شخصیت کے طفیل ہو بہو اس مقدس انسان کی مانند تھے جس کا لبنانی شیعہ اعتقاد رکھتے تھے۔ عربی روانی سے بولتے تھے اور انگریزی و فرانسی زبانوں سے بھی آشنا تھے۔ لبنان کے شیعوں کا شمار (سیّد موسیٰ کی آمد کے زمانے میں)اپنے ماضی کے سبب لبنان کی پسماندہ ترین اقوام میں ہوتا تھا۔

خلافت عثمانیہ نے اپنی ظالمانہ پالیسی کی وجہ سے سینکڑوں سال اس اقلیت کو غربت،ناخواندگی اور مظلومیت کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔اور پھر جب فرانسی استعمار نے خلافت عثمانیہ کی جگہ لے لی ،اس

اقلیت کی زبوں حالی کو برقرار رکھا گیا بلکہ مزید ابتری کی جانب دھکیلا گیا۔ لبنان کی آزادی کے دوران بھی بد قسمتی سے بچے کھچے صاحب نفوذ جاگیر داروں نے اپنی کوششوں سے اس صورتحال کو مزید ابتر کر دیا۔

یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود ہو رہا تھا کہ لبنان کے سولہ قبیلوں اور چار اصلی مذہبی فرقوں: یعنی مسلمانوں (شیعہ و سنی) دروزیوں، مارونی عیسائیوں اور کیتھولک عیسائیوں میں سے شیعوں کی آبادی ایک تہائی تھی لیکن پھر بھی وہ چوتھے درجے کے شہری مانے جاتے تھے۔ آئین کے مطابق ملک کے صدر کا انتخاب اکثریتی فرقہ سے ہونا چاہئے تھا اور فرانس والوں کے اعداد و شمار کے مطابق عیسائی اکثریت میں تھے۔ وزیر اعظم سنی فرقے میں سے اور پارلیمنٹ کا اسپیکر شیعہ فرقے میں سے چنا جاتا تھا۔

قبیلوں کی کثرت کے سبب لبنانی حکومت نے ہر قبیلے کے مذہبی اور سماجی امور خود اسی قبیلے کو سونپ دیئے تھے۔ یعنی ہر فرقہ اپنی آبادی کے تناسب سے پارلیمنٹ یا حکومتی عہدوں کے لئے کچھ ممبران کا انتخاب کرتا تھا اور وہ ممبران اپنے ہم مسلک لوگوں کے لئے علوم دینی کی تعلیم، صحت اور فلاح و بہبود کے مسائل کی منصوبہ بندی کرتے تھے اور حکومت ان کے لئے فقط ایک حامی کا رول ادا کرتی تھی۔ اب آئین کی رو سے شیعوں کا حکومتی اداروں میں ۲۰ فیصدی حق بنتا تھا لیکن اپنے لیڈروں کی سیاست بازی اور سستی کے سبب بعض اداروں میں ۱ یک فیصد یا اس بھی کم پر گزارا کرتے تھے اور اسی تناسب سے وہ اپنے رفاہی اور فلاحی حقوق سے بھی محروم تھے۔

اس زمانے میں لبنان کے جنوبی علاقے میں شیعہ فرقے کے حکومتی

امور دو جماعتوں کے ہاتھ میں تھے۔ایک جماعت کی قیادت کامل اسعد اور دوسرے گروہ کی قیادت کاظم الخلیل کے ہاتھ میں تھی۔

کامل اسعد کہ جس نے بعد ازاں سیّد موسیٰ صدر کی راہ کو کانٹوں سے بھرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزار نہیں کیا، مرکزی حکومت کے لئے نوکر اور پٹھو کی شہرت رکھتا تھا۔وہ ہر اس شخص کی حمایت کرتا تھا جو مرکز میں حکومت کی باگ ڈور سنبھالتا تھا۔اور دوسری طرف کاظم الخلیل بھی مشرق وسطیٰ میں امریکہ اور اسرائیل کے کٹھ پتلی "کامیل شمعون "کا دائمی اتحادی اور نائب تھا۔

جنوبی لبنان میں فقط وہی لوگ آرام کی زندگی گزار سکتے تھے جن کا تعلق ان دو میں سے کسی ایک کے ساتھ تھا۔مثال کے طور پر اس زمانے میں جنوب کے لوگ اکثر "توتون" کی فصل اگاتے تھے لیکن چونکہ اس

پیداوار کو صرف حکومت خریدتی تھی اس لئے وہ صرف ان کسانوں کی پیداوار خریدتی تھی جن کی اسعد یا الخلیل حمایت کرتا تھا۔اسی لئے وہ لوگ بہت زیادہ غریب تھے جو کسی سیاسی لیڈر یا نواب کے باغوں یا کھیتوں میں کام نہیں کر سکتے تھے۔اس کے علاوہ وہ لوگ ثقافتی غربت کے بھی شکار تھے۔

ان دنوں جنوب کے تمام ٤٦٥ گاؤں میں صرف دو ہائی اسکول تھے۔کالج یا یونیورسٹی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ شیعہ بااستعداد جوانوں کی اکثریت غربت کے سبب اعلیٰ تعلیم سے محروم تھی اور ان کے پاس بیروت میں عیسائیوں کے کارخانوں میں مزدوری کے علاوہ اور کوئی چارئہ کار نہ تھا۔حالات بھی ایسے تھے کہ کارخانہ کے اندر اپنے باس (مالک) کے ڈر سے نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے۔

اس طرح سیّد موسیٰ کے آس پاس رہنے والے لوگ یا تو مزدور تھے یا پھر اخبار فروشی، قلی، بوٹ پالش اور ہوٹلوں میں ویٹر کی نوکری سے اپنا روزگار کمانے والے لوگ تھے۔ پھر بھی یہ سب وہی لوگ تھے جن پر سیّد موسیٰ فخر کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے۔

مجھے فخر ہے کہ ان جیسے لوگوں کا خادم ہوں اور مجھے فخر ہے کہ انہوں نے مجھے اپنی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔

لیکن وہ کبھی بھی ان کی موجودہ حالت سے راضی نہیں تھے اس لئے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ

اگر صحیح دعوت کے ہمراہ عمل نہ ہو اور داعی یا پھر اس کے ہم مذہب افراد کی اجتماعی حالت خراب ہو، دعوت موثر نہیں ہوتی۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ لوگ کسی مسلمان کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کر لیں کہ

اسلام دنیا و آخرت کی بہبود کا ضامن ہے اور دوسری طرف غربت ، جہالت ، امراض اور گندگی نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہو۔

امام موسیٰ صدر کے پاس ایک چھوٹی فولکس گاڑی تھی۔ چونکہ ان کا قد اچھا خاصا بلند تھا اس لئے بیٹھنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ کئی بار میں نے پوچھا " جناب عالی ! اس تکلیف دہ گاڑی میں بیٹھنے پر آپ کا اسرار کرنا میری سمجھ سے بالا تر ہے۔" انہوں نے جواب دیا

میرے بھائی ! ہم جنوبی لبنان کے محروم اور فقیر عوام کے پاس جا رہے ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے ایک آرام دہ اور لگژری گاڑی میں دیکھا وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ اونچی کرسی پر بیٹھ کر لوگوں سے ملنا قطعاً صحیح نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ تواضع سے ملنا چاہیے ، ان کی طرح زندگی گذارنی چاہیے۔ خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے اور ہمارے اوپر

بھی لازم ہے کہ ان سے محبت کریں۔

عظیم ثقافتی مرکز

عزاداری کی مجلسوں اور ہفتہ وار یا ماہانہ دینی محفلوں کا انعقاد شیعیت کی تاریخ اور دینی علوم کے پھیلاؤ میں کلیدی رول ادا کرتا آرہا ہے۔ لیکن لبنان میں ان کی حالت کچھ اس طرح کی تھی کہ حاضرین کی تعداد بہت کم ہوتی تھی اور مطالب کے لحاظ سے بھی صرف محدود مسائل پر ہی بات ہوتی تھی۔اس کے باوجود سیّد موسیٰ نے لبنان پہنچتے ہی انہی مجلسوں سے شروع کرنے کی ٹھان لی۔ ابتداء میں صور اور اس کے اطراف میں بسنے والے لوگوں کو جمعرات اور جمعہ کے شبانہ پروگراموں میں شرکت کی دعوت دی۔ لوگوں کی عدم دلچسپی دیکھ کر کہنے لگے

عزیزان گرامی! پڑھنا اور پڑھانا خداوند متعال کے نزدیک مقدس

ترین امور میں سے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک ساتھ بیٹھ کر اسلام کے بارے میں گفتگو کریں۔ اگر آپ کچھ پوچھنا چاہتے ہوں یا کچھ سیکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اگر آپ اسلامی علوم سے آگاہ ہیں اور ساری گتھیاں سلجھا چکے ہیں تو آیئے میں آپ لوگوں سے مستفید ہونا چاہتا ہوں۔

لیکن یہ سب کچھ کافی نہ تھا بلکہ ان کی تجویز پر ان مجلسوں کو پرکشش بنانے کے لئے ایک پروگرام ترتیب دیا گیا۔ رمضان کے مہینے میں لوگوں کو خصوصی کارڈ بھیج کر بلوایا جاتا تھا اور ان مجالس کا وقت بھی دو گھنٹے محدود کر دیا گیا۔

مختلف قسم کے پروگرام من جملہ ؛خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن تاریخ، اخلاقی داستان، ایک آیت کی تفسیر، ایک فقہی مسئلہ، ادبیات

،اسلامی دنیا کی خبریں وغیرہ پیش کی جاتی تھیں۔ ہر آیٹم کے لئے پانچ منٹ رکھے جاتے تھے اس کے بعد سوال و جواب اور آخر میں (کوئی نوجوان مقرر) آدھے گھنٹے کی تقریر کرتا تھا۔

نتیجہ ناقابل تصور تھا۔ رمضان کی راتوں میں نوجوان سینما گھروں کا پروانہ وار طواف کرتے تھے۔ انہوں نے سینما جانا چھوڑ دیا۔ اور پھر بات یہاں تک پہنچ گئی کہ جب آخری رات حسرت کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی، تجویز پیش کی گئی کہ پروگرام کو ہفتہ وار جاری رکھا جائے۔ یہی ایک سادہ سی مگر منظم اور فکری بنیادوں پر استوار حرکت نوجوانوں اور بزرگوں کی خصوصی توجہ کا باعث بنی۔ کچھ ہی دنوں میں سیّد موسیٰ کی کوششوں سے بحر احمر کے خوبصورت ساحل پر زمین کا ایک بڑا قطعہ خریدا گیا اور بہت ہی مختصر مدت میں ایک عظیم عمارت تعمیر کی گئی۔

اس ادارے کا نام "انجمن جوانان مسلمان" رکھا گیا۔ان ہی محفلوں کی وجہ سے مسلمان یہاں تک کہ عیسائی نوجوان بھی اپنے فراغت کے اوقات اس عظیم ثقافتی اور تفریحی مرکز میں ایک صحت مند ماحول میں گزارتے تھے۔

بھیک مانگنا ممنوع

جبل عامل کے مرکزی علاقے میں کبھی کبھی ایک سو بیس افراد سے زیادہ بھکاری گلی کوچوں میں بھیک مانگا کرتے تھے۔ بہت ہی کریہ منظر تھا۔ اس کا کوئی راہ حل ڈھونڈنا چاہیے۔ سیّد موسیٰ کی تجویز پر رضاکاروں کی ایک ٹیم "برّواحسان" کے نام سے تشکیل دی گئی۔ اس ٹیم کا ہر فرد ماہانہ ایک لبنانی لیرہ (لبنانی کرنسی) ادا کرنے کا پابند تھا۔ سال کے ابتداء میں اس کے ممبران میں سے گورننگ باڈی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ سارا کام پانچ کمیٹیوں؛ تحقیقاتی، پلاننگ، مالی، تبلیغاتی اور مذہبی مجالس کی شکل میں انجام پاتا تھا۔ ائمہ معصومین کی دو حدیثیں اس کمیٹی کے مطمع نظر تھیں۔

"ہمارے ماننے والے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر موت کو ترجیح

دیتے ہیں"

"کسی پیشہ ور شخص یا جو مالی لحاظ سے آسودہ حال ہو اس کے لئے

صدقہ جائز نہیں ہے"

تحقیقاتی کمیٹی سارے بھکاریوں کی لسٹ تیار کرتی تھی۔ ان لوگوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ پہلا گروہ ایسے افراد پر مشتمل تھا جن کے پاس کافی پیسے جمع تھے اور وہ سود کھاتے تھے۔ دوسرا گروہ کام کرنے کی توانائی رکھتا تھا۔ تیسرا جن کے رشتہ دار آسودہ حال تھے اور آخری گروہ کے افراد ایسے نیاز مند تھے جن کا کوئی سہارا نہ تھا۔ پہلے گروہ کو ہر طرح کی مالی امداد سے محروم کر دینا چاہیے تھا تاکہ اس اجتماعی لعنت کا سد باب کیا جاسکے۔ دوسرے گروہ کے لئے مناسب کام کاج کا اہتمام کیا گیا۔

تیسرے گروہ کے لئے ان کے رشتہ داروں سے رابطہ کیا گیا تاکہ ان کے توسط سے زندگی کی ضروریات پوری کر سکیں اور چوتھے گروہ کے لئے کہ جن کی تعداد پچاس کے لگ بھگ تھی ،ان کے لئے ماہانہ وظیفہ ، لباس، غذا اور دوا وغیرہ کا انتظام کیا گیا اور عید کے دنوں میں ان کو عیدی وغیرہ بھی دی جاتی تھی۔

اس کے بعد سیّد موسیٰ نے جبل عامل کے عوام سے فقراء کو صدقہ نہ دینے کی تاکید کی۔ بلکہ اپنے صدقات کو مخصوص صندوقچوں میں ڈالنے کے لئے کہا اور اس طرح لوگوں کے تعاون سے بہت ہی مختصر مدت میں گدائی کی لعنت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔

تنظیم برّ و احسان سارے فقیروں کی ان کی مذہبی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر مدد کرتی تھی۔ اس میں شیعہ ، سنی یا عیسائی ہونا کوئی معنی نہیں

رکھتا تھا۔ یہ طریقہ کار اتنا پر کشش تھا کہ ہر مذہب اور فرقے کے افراد اس کی مدد کرتے تھے۔ مثال کے طور پر (ایک دن) ایک عیسائی شخص "رفلہ منصہ" میرے پاس آیا اور اپنے برف سازی کے کارخانے کا ایک تہائی حصہ تنظیم کے نام کیا۔

نوجوانوں کی ہمت سے بہت جلد معذوروں کی دیکھ بھال کے لئے ایک "دار العجزہ" اور بے سرپرست بچوں کی دیکھ بھال کے لئے "دار الیتام" کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس طرح ہماری تنظیم کی کہانی ان لوگوں کے لئے دندان شکن جواب تھا جو دین کو ترک دنیا کے مساوی اور علماء کو اجتماعی مسائل سے لاتعلق یہاں تک کہ مثبت کاموں کے لئے آفت سمجھتے تھے۔ اس کام سے جو حسن اعتماد حاصل ہوا اس سے دوسری دینی تعلیمات کی قبولیت کے لئے زمین ہموار ہوئی۔

عورت؛ قیمتی لیکن بے شعور

بیسویں صدی کے وسط میں لبنان جیسے ملک میں کہ جس پر کچھ مغرور عیسائی حکمران حکومت کرتے تھے، عورت ابھی تک اپنی حقیقی قدر و قیمت سے محروم تھی ۔ گھر کی چار دیواری میں محصور اور اجتماعی پروگراموں یہاں تک کہ مذہبی مجلسوں سے محرومی سب سے بڑا اعزاز تھا جس سے عورت کو نوازا گیا تھا۔

بیروت کو مشرق وسطیٰ کا سویزر لینڈ کہا جاتا تھا۔ حقیقت میں یہ عرب کے شیوخ کے لئے عشرتکدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اعداد و شمار کے مطابق اس شہر کے اندر سولہ ہزار قحبہ خانے تھے جن میں پچاسی فیصد جسم فروش عورتیں جنوبی لبنان کی شیعہ لڑکیاں تھیں۔ یہ ایسی لڑکیاں تھیں

جو غربت اور ناداری کے سبب نوکری کے راستے فساد کے اڈوں تک پہنچ جاتی تھیں۔

لبنان میں عورت کا باپردہ یا بے پردہ ہونا اصلاً مورد بحث نہیں ہے بلکہ عریانیت یا عربوں کی اصطلاح میں "خلاعت" پر بات ہوتی ہے۔اور اس کے بھی کئی اسباب ہیں ۔ لبنان کی یورپ سے نزدیکی کے علاوہ حکمرانوں، صاحبان نفوذاور سرمایہ داروں کے طریقہ کار نے اس میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ لوگ صنف نازک کے تاجر ہیں۔ عورتوں کی تجارت کا مطلب اس اصطلاح کا صرف عمومی معنٰی ہی نہیں ہے بلکہ وہ لوگ بھی اس تجارت میں مصروف ہیں جو اپنے اخبارات، رسالوں اور دکانوں میں عورت کی عریاں تصویروں یا خوبرو لڑکیوں کی خدمات سے اپنے کاروبار کو رونق بخشتے ہیں ۔ لبنان میں سیاحوں کی دلچسپی کے لئے زنانہ لباس کی

سڑکوں، ہوٹلوں، پارٹیوں، ساحلوں، تجارتی مراکز اور تفریح گاہوں میں کچھ اس انداز میں نمائش کی جاتی ہے کہ دیکھنے والوں کی جنسی خواہشات کو بڑھکانے کا باعث بنے۔ گھریلو بجٹ کا بیشتر حصہ عورتوں کے لئے قسم قسم کے انتہائی فیشن ایبل لباسوں کی خریداری پر خرچ ہوتا ہے۔ اور اس پر مستزاد جہالت اور دینی و اخلاقی تعلیم سے دوری نے اس مصیبت کو دو چنداں کر دیا ہے۔ یہ مسئلہ اس بات کا طالب ہے کہ عورتوں کو اس فحاشی اور شہوت کے سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لئے چارہ جوئی کی جائے۔

اسی بناء پر عورتوں کی تربیتی اور فکری ارتقاء کو انہوں نے ہر چیز پر مقدم رکھا لیکن عورتوں کا مسجدوں اور مذہبی تقریبات میں شرکت نہ کرنا اس راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

اس کے علاوہ چونکہ عورت کی شخصیت غالباً خوبصورتی، دکھاوٹ اور

فیشن کا نمونہ تصور کی جاتی تھی اس لئے اس ڈر سے کہ کہیں انہیں پردے اور حجاب کی طرف نہ بلایا جائے، وہ علماء اور دینی دعوت سے خائف تھیں۔

اس لئے سیّد موسیٰ نے کافی مطالعہ اور تحقیق کے بعد اس بات کا فیصلہ کیا کہ بالواسطہ دعوت سے استفادہ کیا جائے۔ ابتدائی قدم کے طور پر یہ اعلان کیا گیا کہ عورتیں بھی "تنظیم برّ واحسان" میں رکنیت کا حق رکھتی ہیں۔

بہت ہی مختصر سے وقت میں دو سو سے زیادہ عورتوں نے رکنیت حاصل کرلی اور پہلے ہی سال میں گورننگ باڈی کا آٹھ افراد کا خود انتخاب کیا۔

۱۹۶۰ میں جذبہ عوام دوستی کے سبب سرگرم ترین ورکر کا ایوارڈ ایک عورت کو خیراتی امور میں اس کی انتھک جدوجہد پر دیا گیا۔ اس سے

تنظیم میں عورتوں کی دلچسپی کئی گنا بڑھ گئی۔ سیّد موسیٰ کی تجویز پر تنظیمی اہداف میں عورتوں کی دلچسپی کو بڑھانے کی خاطر فقراء میں ماہانہ وظیفہ کی تقسیم اور فقیر خاندانوں کی کفالت بھی انہی کو سونپی گئی۔

تنظیم کے زنانہ اراکین نے آہستہ آہستہ ماہانہ تقریری پروگرام، جمعہ کی نماز اور ولادت و شہادت کی مجالس کا انعقاد شروع کیا اور بحث و مباحثہ کے ایک سلسلے کے بعد لباس پہننے میں حد وسط کا انتخاب کیا۔ اس طرح روشن مستقبل کی امید نے انہیں حرکت اور ارتقاء کی راہ پر ڈال دیا۔

ایک بار کچھ افراد نے ایک مرجع تقلید کے حضور شکایت کی تھی کہ سیّد موسیٰ صدر ایسی محفلوں میں حاضر ہوتے ہیں جن میں بے پردہ عورتیں شرکت کرتی ہیں اور ان کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ مزید کہا تھا کہ امام موسی صدر اہل کتاب کو پاک اور ان کے ذبیحہ کو جائز جانتے ہیں

وغیرہ۔۔انہوں نے

(مرجع تقلید) نے جواب میں فرمایا تھا کہ جناب صدر خود بھی مجتہد ہیں اور وہ دوسروں سے بہتر جانتے ہیں کہ معاشرتی مسائل سے کیسے نمٹا جاسکتا ہے۔

ان افراد کے بیچ جو ہمدلی اور ہماہنگی کا جذبہ پیدا ہوا تھا اس کے طفیل مختصر سی مدت میں عطیات کی جمع آوری سے کئی ادارے اور امدادی مراکز من جملہ نرسنگ اسکول اور نرسری کی تاسیس عمل میں آئی۔ان میں سے ایک مرکز جس کو خاص شہرت ملی "بیت الفتاہ " تھا، جہاں پر بے سرپرست لڑکیوں کی پرورش اور کفالت کی جاتی تھی۔ یہاں پر وہ مختلف قسم کے امور من جملہ خانہ داری، ہینڈی کرافٹس، یہاں تک کہ شخصی دفاع کی تربیت لے کر اپنی کھوئی ہوئی شخصیت اور آزادی کو دوبارہ حاصل

کرتی تھیں۔

جبل عامل

سیّد موسیٰ نے اپنے بیشتر نمایاں کارنامے جوانی میں انجام دیئے۔اس لئے دوسرے اقشار کی نسبت نوجوانوں اور جوانوں کے ساتھ میل جول اور رابطے کو انہوں نے ترجیح دی۔ اس سلسلے میں پہلے قدم کے طور پر انہوں نے لبنان کے دو بڑے ثقافتی مراکز" الکلیۃ الجعفریہ" (جعفریہ کالج)اور"الکلیۃ العاملیۃ" (عاملیہ کالج)کے طالبعلموں کے لئے ہفتہ وار جلسوں کاانعقاد شروع کیا۔ان جلسوں کا عنوان"قرآنی اسلام" یاان کے اپنے الفاظ میں" قرآنی اسلام جس طرح موسیٰ صدر سمجھتے تھے" تھا۔

ابتدائی دنوں میں کچھ نوجوانوں کے توہین آمیز قہقہے اور حقارت آمیز قیافے ناقابل برداشت تھے۔ کئی مہینے گزر گئے۔ بہت سخت دن

تھے۔ عجیب و غریب سوالوں کے جواب دینے کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا ۔ایک دن ہال سے باہر نکلتے ہوئے نوجوانوں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ان میں سے ایک پوچھنے لگا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ کیونکر نوجوان آپ سے محبت کرتے ہیں اور اس حد تک اپنائیت سے پیش آتے ہیں ؟اور پھر خود ہی کہنے لگا آپ کی باتیں اور آپ کی تجاویز روحانی اور نفسیاتی مشکلات کے عین مطابق ہوتی ہیں ۔ صاف صاف کہہ دوں کہ آپ ہماری روحانی اور جسمانی مشکلات پر حقیقت پسندانہ موقف رکھتے ہیں اور صبر و حوصلہ اور دقت کے ساتھ ہماری مشکلات سنتے ہیں اور پھران کے حل کے لئے تاحد امکان کوشش کرتے ہیں۔

شب قدر تھی ، میں دوسرے نوجوانوں کے ہمراہ اس رات کے مراسم انجام دینے کے لئے امام موسیٰ صدر کے گھر گیا۔ میں نے پہلی بار

داڑھی رکھی تھی، بہت پریشان تھا۔ میرا خیال تھا کہ چہرہ کچھ بدصورت سا ہو گیا ہے۔ لیکن جونہی امام کی نظریں میری طرف اٹھیں بہت ہی پیار بھرے لہجے میں کہا واہ واہ! کتنا خوبصورت اور نورانی چہرہ! الحمد للہ۔ الحمد للہ! ماشاءاللہ! بہت نکھر گئے ہو، بہت اچھا ہے۔

اس اعتماد اور محبت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا اور پھر ہر کام میں ہم پیش پیش نظر آنے لگے۔ ہم نے انہی سلجھے ہوئے جوانوں اور طالبعلموں کے ہمراہ رمضان سے پہلے سڑکوں اور گلیوں کا چکر لگایا۔ کافی شاپوں، مسافر خانوں اور کباب فروشوں سے ملاقات کی اور ان سے آمد و رفت والی جگہوں پر ماہ صیام کی رعایت کے لئے مدد کی درخواست کی۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے اس عظیم اسلامی شعار کا احترام کیا گیا۔ اس کام میں وہ نوجوان بھی ہمارے ساتھ ساتھ تھے جو ایک سال پہلے تک روزہ

خواری سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

لیکن اس مرحلے تک آنا سیّد موسیٰ کے لئے حصول منزل کے معنیٰ میں نہیں تھا۔ کیونکہ یہ نوجوان اسی صورت میں آئیڈیل بن سکتے تھے جب دین داری کے ساتھ ساتھ کسی علمی میدان میں ماہر بھی ہوں اور پھر مختلف (علمی و صنعتی) مراکز میں منظم ہو کر کام کر سکیں۔ بے شک ایسے ہی مقاصد کی خاطر سیّد موسیٰ نے ایک عظیم علمی مرکز "ادارہ صنعتی جبل عامل" کے قیام کا فیصلہ کیا۔

جس وقت جنوبی لبنان میں اس مرکز کے قیام کی بات چل رہی تھی بعض لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اسے بیروت میں قائم کیا جائے۔ اس طرح یہ زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن سیّد موسیٰ نے انکار کر دیا اور کہا

اس مرکز کے لئے بہترین جگہ جنوبی لبنان ہے۔ جنوبی لبنان

دوسرے خطوں کی نسبت اس سرمایہ کا زیادہ محتاج ہے.

سیّد اس سلسلے میں بہت پر امید تھے مگر اس عظیم پروجیکٹ کے لئے

ان کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ اور جب ان سے اس پروجیکٹ پر آنے

والے خرچے کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو کہتے تھے

انشاء اللہ ثروتمند شیعہ اندرون و بیرون ملک سے مدد کریں گے

اور اگر ایسا نہ ہوا تو بیروت کی ساحلی سڑک پر ایک خیمہ لگاؤں گا۔ ہر گاڑی

والے سے تھوڑی سی مدد مانگوں گا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی گاڑی پھل

لے کر آتی ہے اس سے درخواست کروں گا کہ پھلوں کی ایک چھوٹی سی

پیٹی مدرسے کو دیں اور اگر خالی تھی ایک لبنانی لیرہ پر صبر کروں گا۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ جنوبی لبنان کی خوبصورت ساحلی

چوٹیوں پر لڑکوں کے صنعتی اسکول نے سر ابھارا۔ اس مرکز کو آٹھ سال تک سیّد موسیٰ کے جگری دوست "ڈاکٹر مصطفی چمران" نے چلایا اور اس اسکول میں نوجوان اور یتیم بچے مختلف شعبوں من جملہ ثقافت، ایڈیولوجی اور فنی امور میں مفت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اور لوگوں کے آڈر وصول کر کے اپنے اور ادارے کا خرچہ چلاتے تھے۔ اس عمارت کا کچھ حصہ دینی مدرسے "مہد الدراسات الاسلامیہ" کے لئے مخصوص کیا گیا تھا جہاں پر لبنان اور کئی افریقی و ایشیائی ممالک کے طلاّب حصول علم میں مشغول تھے۔ اصل میں سیّد موسیٰ کی ایک بڑی آرزو افریقا کے لوگوں سے نزدیکی تعلقات کا قیام تھا۔

"ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ افریقہ کے تشنہ عقائد عوام کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اس سے پہلے کہ یہ برّاعظم عیسائی اور کیمونسٹ دنیا

کے ساتھ مل جائے"

خون بندی

لبنان میں یہ بات بہت مشہور ہے کہ اگر بعلبک اور جبل عامل (کے عوام) مل جائیں، شیعوں کی قدرت میں اضافہ ہو گا اور اس خطے کی صورتحال کو تبدیل کر سکتی ہے۔ ان خطوں کو ملانے کی کوششیں بہت پرانی ہیں۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب دو معروف اور پر نفوذ گھرانے "آل حرفوش" اور "آل صعبی" جو کہ بعلبک اور ہرمل (جبل عامل کا مرکزی علاقہ) میں ساکن تھے، اس بات پر متفق ہوئے کہ ان علاقوں کو آپس میں جوڑنے کے لئے مضبوط اور نزدیکی تعلقات کی بنیاد ڈالی جائے۔ لیکن جو نہی لبنانی حکمران کو اس کی اطلاع مل گئی فوراً ہی شام کے ترک نژاد بادشاہ "مصطفیٰ پاشا" سے رابطہ کیا اور ایک خط کے ذریعے انہیں خبر دار

کیا کہ اگر بعلبک اور جبل عامل آپس میں مل گئے تو میری حکمرانی اور عثمانیہ حکومت شدید خطرات میں گرفتار ہو جائے گی۔ اور اس طرح ان دو حکمرانوں کی مداخلت سے صلح، بھائی چارے اور اتحاد کے بجائے جنگ اور خون ریزی کا دور شروع ہوا۔

اس دوران یہاں کے رہنے والوں میں بری عادتیں اور غلط قسم کے رسم و رواج پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے اتحاد اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ اس علاقے کے لوگ " خونخواہی "کی بری لعنت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ یعنی اگر ان میں سے کسی کو مار دیا جاتا تھا اس کے بدلے میں دوسرے قبیلے کے ایک فرد کا خون بہانا ضروری بن گیا تھا۔ اور اس طرح ہزاروں بے گناہ انسانوں کی زندگیاں اس خونی انتقام کی نذر ہو جاتی تھیں۔

اب وہ وقت آچکا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی موثر قدم اٹھایا جاتا کیونکہ سیّد لوگوں کے دلوں ہیں بس چکے تھے۔اسی مقصد کے تحت سیّد موسیٰ نے لوگوں کو شہر بعلبک کے میدان میں جمع ہونے کے لئے کہا۔ پھر اپنی بات ان کے سامنے رکھی اور کہا:

"بعلبک کے غیور فرزندو! ہرمل کے بہادر لوگو! اس تاریک دور میں جہاں ہر دن خون کی ہولی کھیلی جارہی ہو اور دلوں کی حرارت بجھتی جا رہی ہو، ان درد آشام ایام میں، اس دہکتی سرزمین پر، جب دشمن پے در پے حملہ آور ہو، غم سے میرا سینہ پھٹا جارہا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔

میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ اس بری رسم جسے تم لوگ "خونخواہی" کہتے ہو اس کا کیا مطلب ہے؟ حاضرین محترم! تمہیں اس

خدا کا واسطہ جس کی تم پرستش کرتے ہو، میری تین باتوں میں سے کسی ایک کو مان لو۔ اگر اس خونخواہی کے ذریعے مال و دولت کے متمنی ہو تو مجھے اتنی فرصت دو کہ اس خون کے بدلے میں کہ جس کے تم طلبگار ہو، مال و دولت عطا کروں اور یہ مال اس (بداخلاقی کے) مزار پر نشان قبر کے طور پر باقی رہے اور یہ رسم بد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے۔

اور اگر جنگ کی ہوس رکھتے ہو اور جنگ و خون ریزی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، تو آؤ جنگ کے لئے قدس کا رخ کرتے ہیں۔ یروشلم اور دوسرے مقدس مقامات کی آزادی کے لئے جنگ کریں گے اور اس راہ میں خون بہائیں گے۔

اور اگر خونخواری کی ہوس میں مبتلا ہو، تمہیں خدا کا واسطہ "صدر" کو اپنی گولیوں کا نشانہ بناؤ اور اس خطرناک عادت سے باز آجاؤ۔

لوگو! میں تمہیں کسی چیز کا حکم نہیں دے سکتا۔ اگر میری بات پر عمل کرتے ہو تو اس میں تمہاری بہتری ہے اور اگر پھر سے اپنی شیطانی خصلت کا دامن تھالیا اور اپنی پرانی خدا ستیز حرکات سے باز نہیں آئے تو گواہ رہنا کہ میں نے ایک راہنما کی حیثیت سے تمہیں خیر و نیکی کی طرف بلایا ہے"

اخلاص کی دولت سے مالامال دل جو ابھی اپنے رہبر کے استقبال میں دیوانہ وار دھڑک رہے تھے ایک بار لرز اٹھے اور پھر زبانوں نے ایک آواز میں نذرانہ اطاعت پیش کیا۔ کیا دنیا ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ کسی قوم نے اپنے آباواجداد کے طور طریقے کو صرف دو جملوں کے صدقے میں سینہ تاریخ میں دفن کر دیا ہو اور عشق کی اتنی خوبصورت تصویر خلق کی ہو؟

اس دن بعلبک اور ہرمل کے لوگوں نے ایک زبان ہو کر قسم کھائی
کہ اس ناپاک رسم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر باد کہیں گے اور اختلافی
مسائل کے حل و فصل کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کریں گے۔

مجلس اعلیٰ

"حکومتی عہدہ دار ہمیں بہت زیادہ نصیحت کرتے ہیں۔دنیا میں اچھی باتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ان نادر نصیحتوں اور اچھی اچھی باتوں کو اپنے پاس سنبھال کر رکھیں (بہتر یہ ہے) ہماری مدد کے لئے آگے آ جائیں "

(امام موسیٰ صدرؒ)

جنوبی لبنان میں سیّد موسیٰ کی محبوبیت کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف دشمنی اور حسد میں روز بروزاضافہ ہوتا گیا۔ سیّد موسیٰ پر دباؤ بڑھانے کی خاطر کامل اسد جیسے سیاسی لیڈروں اور صور کے کچھ متعصب اور تنگ نظر مولویوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کرلیا۔

شیخ محمد جواد مغنیہ ممبر پر بیٹھے تھے کہ سیّد موسیٰ صدر وارد مجلس ہوئے۔ جونہی سیّد موسیٰ پر نظرپڑی توان پر بری طرح برس پڑے اور

کہنے لگے: اسلام ایسے لوگوں سے شدید نفرت کرتا ہے جو مسلمان ہونے کے تو دعویدار ہیں لیکن کفر و شرک کے ممالک (ان کا اشارہ سید موسی کے سابق روس اور موجودہ تاجکستان کے دورے کی جانب تھا جو وہاں کے مسلمانوں سے ملاقات کی خاطر انجام دیا تھا) کا دورہ کرنے جاتے ہیں۔

امام موسی بیٹھے تھے اور نگاہیں زمین میں پیوست تھیں۔ پروگرام کے مطابق اگلے خطیب خود امام موسیٰ صدر تھے۔ شیخ مغنیہ کی تقریر اختتام کو پہنچی تو ممبر سے اتر آئے۔ اسی وقت امام موسیٰ صدر ممبر پر جانے کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے۔ لیکن اس سے پہلے شیخ مغنیہ کی طرف چلے گئے اور لوگوں کے سامنے انہیں گلے لگایا۔ لوگوں پر امام کے اس عمل سے ہیجانی کیفیت طاری ہوئی۔ خود شیخ بھی متحیر تھے۔ جیسا کہ خود کہا کرتے تھے کہ جب امام کی آغوش میں تھے ان کے کان میں کہہ دیا

تھا کہ "اس عمل سے تم نے میرے سارے الزامات اور بد تمیزیاں مجھے واپس لوٹادی ہیں"

آہستہ آہستہ دباو کی جگہ توہین، براہ راست تہمتوں اور ہتک حرمت نے لے لی تھی، پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ شہر صور میں خاندان آل محفوظ کے کچھ افراد نے سر عام سیّد موسیٰ کی توہین کی۔ عام لوگ اور امام موسیٰ صدر کے ماننے والے جن کی اب لبنان میں اکثریت تھی، بے اختیار اپنے رہبر کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آئے۔ درجنوں گاڑیوں پر مشتمل اجتماعی جلوس بعلبک سے صور کی جانب روانہ ہوا۔ لوگ امام صادق کلب میں جمع ہوئے اور مختلف جماعتوں سے وابسطہ نمائندوں نے تقریر کی۔ انہوں نے آل محفوظ کے گھروں کی جانب حرکت کرنے اور انہیں نذر آتش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ لوگ آہستہ آہستہ ہال سے باہر آرہے تھے

کہ اچانک امام موسیٰ صدر کی آواز مائیکروفون سے سنائی دی۔ اپنے مخالفین کے کان مروڑنے کا یہ نادر موقع تھا لیکن امام نے لوگوں کے بپھرے ہوئے مجمع کو کنٹرول کرنے کے بعد اچانک موضوع سخن تبدیل کیا اور لوگوں کی توجہ ایک نئے آئیڈیا کی طرف مبذول کروائی۔ امام موسیٰ صدر نے ایک ایسی مجلس کی تاسیس پر بات کی کہ جس کے توسط سے لبنانی شیعہ بھی یہاں رہنے والے دوسرے فرقوں کی مانند قانون سازی، اس کے اجراء اور اپنے قانونی حقوق کے دفاع کا حق حاصل کر سکتے تھے۔

لیکن مسئلہ اتنی سادگی سے حل نہ ہو سکا۔ ایسے تین گروہ جو شیعوں کی قدرت کو اپنے لئے باعث ضرر سمجھتے تھے اس منصوبے کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس مخالفت میں بائیں بازو کی پارٹیاں کہ جن کی قیادت لبنان کے سب سے چھوٹے قبیلے کے سرپرست "کمال جنبلاط"

کے ہاتھ میں تھی، پیش پیش نظر آتی ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے فلسطینی گروہوں کے ساتھ نزدیکی روبط تھے اس لئے ان کی حقیقی قیادت یاسر عرفات کر رہا تھا۔ دوسری جماعت عیسائیوں کی "حزب کتائب" تھی ۔بیرونی محاذ پر اسرائیل جو اپنی لبنانی سرحد پر ایک قدرت مند دشمن سے خوفزدہ تھا، کے علاوہ شاہ ایران (دنیا کا واحد شیعہ ملک) اور بدقسمتی سے جمال عبدالناصر کی رہبری میں مصر جو عرب ایزم کا پرچمدار تھا بھی نظر آتے ہیں۔

۵ جون ۱۹۶۳ء کو امام خمینی کی آزادی کے لئے علمائے نجف کے ٹیلیگراف پر امام موسیٰ صدر کے دستخط پائے گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا کیس، بدنام زمانہ ایرانی حساس ادارے ساواک کی میز پر پہنچ گیا تھا۔

انقلاب کے بعد کئی ایسی اسناد ملی ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی

ہے کہ ساواک (ایرانی سراغ رساں ادارہ) امام صدرؒ کی شخصیت مجروح

کرنے کے لئے لبنانی اخبارات کی حمایت کرتی تھی۔

اس وقت کے ایرانی وزیر اعظم 'ہویدا' ایک رسمی سرکیولیشن میں

اعلان کرتا ہے کہ:

"اعلیٰ حضرت ہمایوں شاہنشاہ مہر (شاہ ایران) نے حکم دیا ہے کہ

لبنان کے شیعہ عوام کو بتایا جائے کہ جب تک "صدر" ہے ہم مدد نہیں

کریں گے"

جمعیت شیر و خورشید نے بھی سیّد موسیٰ کے مخالفوں کے لئے امداد

بھیج کر لبنانی شیعوں کی قوت کو منظم! کرنے کی کوشش کی ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ بائیں بازو کے مخالفین انہیں ایرانی حکومت

کا پٹھو اور شاہ کا نوکر کہتے تھے۔ یہاں تک کہ سیّد صدر نے دباو سے رہائی

اور لبنانی عوام کے ساتھ اظہار یکجہتی کی خاطر میں لبنانی شہریت اختیار کی۔ اس فیصلے کے فوراً بعد ساواک نے ان کی ایرانی شہریت منسوخ کردی۔ گویا وہ اسی لمحے کے منتظر تھے۔

لیکن لبنانی شیعہ اس مجلس کی تاسیس کے لئے پر عزم اور مصمم تھے۔ اسی لئے جب سیّد صدر نے محسوس کیا کہ گفتگو اور مسالمت آمیز طریقوں سے کچھ حاصل نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے عوامی قدرت کا سہارا لیا۔ ۱۶ مئی ۱۹۶۷ کو "مجلس اعلیٰ شیعیان" کی بنیاد رکھی گئی اور آئین کو بنیاد بنا کر الیکشن کا انعقاد عمل میں آیا اور سید صدر واضح اکثریت کے ساتھ چھ سال کے لئے اس مجلس کے صدر منتخب ہوئے۔

مخالفوں نے پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ اگر اس مجلس کی بنیاد پڑ گئی تو سب کو شیعہ مذہب اختیار کرنا پڑے گا اور شیعہ ایسا کریں گے، شیعہ ویسا

کریں گے۔ مجلس کی تاسیس کے اگلے روز ایک اخباری رپورٹر نے سیّد

موسیٰ سے لبنان میں پھیلی ان افواہوں کے بارے میں سوال کیا تھا تو سیّد

موسیٰ نے انتہائی مختصر جواب دیا تھا "اللبنان کما کان" یعنی سب کچھ جیسے

تھا ویسے ہی رہے گا۔

مجلس کے پہلے رسمی اعلان میں اس کا پروگرام کچھ یوں بیان ہوا:

- شیعہ برادری کے امور کو منظم کرنا اور شیعوں کی اجتماعی اور اقتصادی صورتحال کو تقویت بخشنا۔
- ایک مکمل اسلامی تشخص کے لئے قیام اور کوشش کرنا۔
- اتحاد کے حصول اور اختلافات سے محفوظ رہنے کی خاطر بنیادی اقدام اٹھانا۔
- لبنان کے دوسرے فرقوں کے ساتھ تعاون اور ملکی وحدت کی حفاظت

کرنا۔

- قومی امور پر نظارت اور لبنان کی آزادی کا دفاع۔
- غربت، بے راہ روی اور جہالت کے خلاف انتھک جدوجہد۔
- قدس کی آزادی کے لئے تحریک آزادی فلسطین کی حمایت۔

اس ساری صورتحال میں جو چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں خاص طور پر عیسائیوں نے اس مجلس کی تاسیس کے لئے اپنی بھرپور حمایت پیش کی۔ اس کا ثبوت وہ رپورٹ ہے جو بیروت میں امریکی سفارت خانے نے اس مجلس کی تاسیسی قرارداد پر واشنگٹن کو ارسال کی تھی۔

لبنان کے عیسائی قائدین اس مجلس کے بننے پر خوشحال ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقے سے اس کی حمایت کے لئے آمادہ ہیں۔ موجودہ صورتحال اس

بات کی عکاسی کرتا ہے کہ جناب موسیٰ صدر لبنان کی عیسائی برادری میں خاصے مقبول اور ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔

مجلس اعلیٰ نے دو کمیٹیوں کی صورت میں اپنے کام کا آغاز کیا۔ نو افراد پر مشتمل "شرعی کمیٹی" اور بارہ افراد کی "اجرائی کمیٹی"۔ اگرچہ حکومت نے اس منصوبے کی منظوری کے لئے اپنی کچھ شرائط بھی رکھی تھیں اور سیّد نے مجبوری کی حالت میں ان کی منظوری بھی دی تھی لیکن ہمیشہ ان شرائط کو مجلس کے نقائص کے طور پر یاد کرتے تھے۔ ان میں سے ایک شرط یہ تھی کہ مجلس میں حکومت کے کچھ منتخب کردہ افراد کو شامل کیا جائے۔

امام صدر "مجلس اعلیٰ" کی تاسیس کے سلسلے میں بزرگوں اور علماء سے تبادلہ خیال کی غرض سے نجف اشرف آئے تھے اور اسی مقصد کے

لئے ایک جلسے کا انعقاد کیا گیا تھا۔ امام صدر کہا کرتے تھے کہ قدیمی طرز عمل کی خصوصیت یہ تھی کہ لوگ علماء کے پیچھے جاتے تھے لیکن اب حالات بدل چکے ہیں اور یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے پیچھے جائیں ۔ بہت سارے لوگوں نے ان کی مخالفت میں زبان کھولی البتہ میں نے عرض کیا:

جناب عالی ! آپ کام کرنے کا مصمم ارادہ رکھتے ہیں لیکن جو حضرات یہاں پر اکٹھے ہوئے ہیں ان میں سے ایک بھی کام کا نہیں ہے۔ آپ واپس لبنان تشریف لے جائیں اور اپنے ہم عقیدہ افراد کے ساتھ کام کا آغاز کریں۔ ایک روز ضرور آئے گا کہ دوسرے لوگ بھی آپ سے مل جائیں گے۔

۱۹۷۳ء کے الیکشن میں ایک بار پھر سیّد صدر کو ان کی بے لوث

خدمت اور انتھک جدو جہد کی وجہ سے مجلس کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اگلے سال گورننگ باڈی نے آئین میں اصلاح کر کے اور مجلس کی قطعی اکثریت سے سیّد امام صدر کو ۶۵ سال کی عمر تک لبنان کے شیعوں کی مجلس اعلیٰ کی صدارت کے لئے منتخب کر لیا۔

حرکت المحرومین

جنوبی دیہاتوں کے درمیان تین اہم کیمپ موجود تھے جن میں فلسطینی مہاجرین رہتے تھے۔ چونکہ یہ کیمپ اسرائیلی سرحد سے خاصے فاصلے پر واقع تھے اس لئے فلسطینی عسکریت پسند کبھی کبھی مقبوضہ فلسطینی سرحدوں پر حملے کی غرض سے ان میں سے کسی ایک گاؤں سے گذرتے تھے۔ جس کے نتیجے میں اسرائیل کے کینہ پرور دہشت گرد بھی کبھی کبھار ان میں سے کسی ایک گاؤں کو اپنے وحشیانہ بمباری کا نشانہ بناتے تھے اور وہاں کے رہنے والوں کو خاک وخون میں نہلاتے تھے۔ دوسری طرف جس وقت کوئی فلسطینی شہید ہو جاتا تھا تو فلسطین کی تحریک اس کے گھرانے کو خون بہا کے عنوان سے کچھ پیسے دیتی تھی لیکن کسی لبنانی کے

قتل ہونے پر نہ فقط یہ تحریک بلکہ لبنانی حکومت بھی کسی طرح کی کوئی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتی تھی جس کے نتیجے میں فلسطینی حریت پسندوں کے ساتھ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی کے تعاون میں کمی آگئی اور یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس کا نقصان صرف مسلمان کو پہنچ رہا تھا۔ یہ صہیونیوں کے لئے ایک بہترین تحفہ تھا۔

سیّد نے اس مسئلے کے حل کے لئے دو قسم کی چارہ اندیشی کی۔ پہلے مرحلے میں انہوں نے مسئلہ فلسطین کو تمام عالم اسلام من جملہ شیعہ و سنی کے لئے ایک عظیم اور اہم مسئلہ کی حیثیت سے پیش کیا اور دوسرے مرحلے میں جنوبی لبنان کی اہل تشیع برادری کے دل فلسطینی بھائیوں کی طرف موڑنے کی کوشش کی تاکہ وہ نقصانات سے ڈر کر فلسطینی عسکریت پسندوں کی حمایت سے ہاتھ نہ کھینچ لیں۔ اسی مقصد کے لئے اکثر ایسے

اسلامی ممالک کا دورہ کیا جہاں ان کو امید تھی کہ وہاں کے حکمرانوں سے ملاقات اور عوامی تقاریر کے ذریعے افکار عامہ کو مسئلہ فلسطین سے آگاہ کیا جاسکتا ہے۔

جنوبی لبنان کے ایک گاؤں پر صہیونی حملے میں ایک جوان درجہ شہادت پر فائز ہوا تھا۔ امام موسیٰ صدر کے ہمراہ اس شہید کے گھرانے سے ملاقات کی غرض سے ہم لوگ روانہ ہوئے۔ اس کی ماں ساٹھ سال کی بوڑھی خاتون تھی۔ اس کا شہید فرزند پوسٹ گریجویٹ تھا اور شہر کے ایک اسکول میں پڑھاتا تھا۔ بوڑھی خاتون کا شوہر مر چکا تھا اور یہ بیٹا بھی اس کی تنہا اولاد تھا۔ اس عمر رسیدہ خاتون نے کہ جو سر تا پا سیاہ لباس میں ملبوس تھی، غصے اور لرزتی آواز میں لب گشائی کی۔ میرا خیال تھا کہ امام سے جھگڑنے کا ارادہ رکھتی ہے کہ کیوں تم نے میرا بچہ مجھ سے چھین لیا ہے

لیکن میں نے دیکھا کہ یہ خاتون کھڑی ہوئیں اور غصے کی حالت میں چیخیں؟

"اے امام! کیا وجہ ہے کہ آپ نے عورتوں کے لئے کیمپ نہیں بنایا تاکہ میں بھی اس کیمپ میں جنگی تربیت حاصل کر لیتی اور شہادت کے منصب پر فائز ہو جاتی؟

اس طرح سیّد موسیٰ نے اسرائیل کا حقیقی چہرہ عیاں کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار جرمن پادریوں کے اجتماع میں فرمایا:

اسرائیل بہت بے حیائی سے کہتا ہے کہ ہمسایہ ممالک کو چاہیے کہ وہ فلسطینیوں کو نابود کر دیں اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیں تاکہ وہ اپنی جارحیت کو جاری رکھ سکے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فلسطین کا مسئلہ اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والا عسکریت پسندوں کا معاملہ خود اسرائیلیوں کے

وحشیانہ کردار کا نتیجہ ہے کہ جنہوں نے ۱۹۴۵ء سے لے کر آج تک دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے سہارے فلسطینی عوام کو اپنے گھروں سے نکال کر ان کی جگہ لٹیروں، قابضوں اور استعمار کے ایجنٹوں کی ایک ٹولی کو اکٹھا کر رکھا ہے۔ اس وقت فلسطینی جانبازوں کی موجودگی صہیونی مقاصد اور اس کے جارحانہ عزائم کے لئے مرغوب بہانہ ہے کہ جس کی نظریں لبنان کی زرخیز سرزمین پر ہے اور "عظیم اسرائیل" کی تشکیل چاہتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جنوبی لبنان اس ملک کے شیعوں کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس مذہب کے ماننے والے کئی اور جگہوں میں بھی رہائش پذیر تھے جن میں شمال کے پسماندہ گاؤں بھی شامل ہیں۔ ایسی شیعہ آبادی کہ جن کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں نے گھیر رکھا تھا اور

دوسرے علاقوں کی شیعہ آبادی سے ان کا رابطہ نہ ہونا، اجتماعی، سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے ان کی پسماندگی کا سبب بن گیا تھا۔

جب بھی سیّد کو کسی گاؤں میں بلایا جاتا تھا وہ خوشی خوشی اس دعوت کو قبول کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ عیسائیوں کی دعوت پر بھی لبیک کہتے تھے۔ لیکن نہایت ادب واحترام کے ساتھ ان سے کہتے تھے کہ وقت اور جگہ کے حتمی فیصلے کے لئے شیعہ آبادی سے ہماہنگی کی جائے۔ آخر کار ان کے سفر کی منصوبہ بندی شیعہ ہی کرتے تھے اور عیسائیوں کو اس کی اطلاع دے دیتے تھے۔ جب بھی عیسائیوں کی دعوت پر سیّد شمالی لبنان آتے تھے تو شیعہ آبادی کے گاؤں کو دیکھنے پر اصرار فرماتے تھے۔ ان کی اس دلچسپی کا مقصد ان علاقوں میں شیعوں کی خودی اور خود اعتمادی میں اضافہ کرنا تھا۔

اگرچہ حال ہی میں، میں نے آرٹ اسکول بیروت سے پڑھائی مکمل کی تھی لیکن مجھے جنوب جاکر مدرسہ جبل عامل میں کام کرنے کا شوق تھا۔ اس سلسلے میں اپنے ایک رشتہ دار ابو ماہر سے مشورہ کیا اور اس نے مجھے اس کام سے منصرف کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اصرار کیا کہ مجھے امام موسیٰ کے پاس لے جائیں۔

امام نے میرے سرٹیفکیٹ دیکھنے کے بعد ٹیلیفون کا ریسور اٹھایا اور کچھ دیر فارسی زبان میں بات کی۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ میں کب تک کام کے لئے آمادہ ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ ابھی اور اسی وقت۔

اس وقت ابو ماہر نے امام موسیٰ سے کہا؛"اے امام ! میں اسے آپ کی خدمت میں لایا تھا تاکہ آپ اسے منصرف کریں۔ شمال میں اس کا بڑا خاندان ہے اور اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان کی خدمت کرے۔ اگر یہ

بیروت میں کام کرے تو اپنے خاندان کی بہتر خدمت کر سکتا ہے۔ امام نے اس کے جواب میں فرمایا:

استاد ابو ماہر! مومن جوانوں پر ہم دوسروں کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں یہاں تک کہ ان کے گھر والوں سے بھی زیادہ۔

اب وہ وقت آن پہنچا تھا کہ سارے لبنانی من جملہ شیعہ، سنی، عیسائی عوام کی غربت اور ناتوانی کو مٹانے کے لئے سنجیدہ قدم اٹھائے جائیں۔ چنانچہ "حرکت محرومین" نے اس نعرے کے ساتھ کام کا آغاز کیا کہ اس کا تعلق لبنان کے تمام اقوام اور علاقوں سے ہے۔ " حرکت محرومین "خدا اور انسان پر حقیقی ایمان اور مکمل آزادی و کرامت انسانی کی بنیاد پر قائم کی گئی اور اس میں سماجی ظلم اور قوم پرست سیاسی نظام کی گنجائش نہیں تھی۔

۱۲ مئی ۱۹۷۰ء کو اسرائیل نے ایک وسیع حملے میں جنوب کے ۳۰ گاؤں کو ویران اور ۵۰ ہزار سے زیادہ شیعہ آبادی کو آوارہ کر دیا۔ سیّد موسی برق رفتاری کے ساتھ وارد میدان ہوئے، تمام قبیلوں کے سرداروں کو اکٹھا کیا اور جنوبی لبنان کی مدد کے لئے ایک کمیٹی کا اعلان کیا۔ ابتداء میں سیّد موسیٰ نے اس وقت کے لبنانی صدر "سلیمان فرنجیہ" سے مطالبہ کیا کہ جنوب میں فوجی دستے تشکیل دے کر امن وامان برقرار اور اسرائیلی ظلم و ستم کی روک تھام کرے۔ لیکن حکومت نے نہ فقط یہ کہ کوئی توجہ نہ دی بلکہ فوج کی مدد سے فلسطینی کیمپ ختم کرنے کی منصوبی بندی کی تاکہ ' نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری.

مگر سیّد موسیٰ مضبوطی کے ساتھ ان کے سامنے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دھمکی دی کہ :

"اگر حکومت لبنان اپنے منصوبے پر اصرار کرتی ہے، میں کیمپ کے اندر بیٹھ جاؤں گا۔اس صورت میں فوج کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا کہ گھروں کی ویرانی سے پہلے میرے جسم کو روندتے ہوئے گزر جائے۔"

انہوں نے اس سازش کو ناکام بنانے کے بعد ایک بار پھر لوگوں سے مدد کی درخواست کی اور لوگوں نے بھی اپنے رہبر کی اطاعت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔

ہڑتال کے لئے امام نے جو کال دی تھی اس میں ابھی کچھ ہی گھنٹے گزر گئے تھے کہ بیروت کی سانسیں رک گئیں۔ ہزاروں جانباز شیعوں نے بیروت کے بڑے ائرپورٹ کے رن وے پر قبضہ کر لیا اور اعلان کیا کہ وہ اس ہڑتال کو اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک کہ ان کے رہبر

اسے ختم کرنے کا حکم نہیں دیتے۔

اب وہ جنوب لبنان کہ جس کی نجات کے بارے میں اس کے رہائشی بھی لاتعلق ہو چکے تھے، ایک قومی مسئلے کی شکل اختیار کر چکا تھا ۔۲۶ مئی ۱۹۷۰ء کے دن جو مظاہرے ہوئے ان میں لبنان کے تمام اصناف سے وابستہ لوگ جن میں استاد، مزدور، طالب علم سے لے کر دکاندار یہاں تک کہ بلدیہ سے وابستہ اہل کاروں نے بھی جنوبی لبنان کے تئیں حکومت کی بے توجہی پر اعتراض کی خاطر کام کاج سے ہاتھ کھینچ لیا اور دور دراز علاقوں سے امام صدر کی تقریر سننے کے لئے پہنچ گئے۔

"ہم بیسویں صدی میں جی رہے ہیں نہ قرون وسطیٰ میں ۔۔! یہ بات صحیح ہے کہ لوگوں کے مختلف طبقات، ان کے دین و مذہب، فکری ارتقاء اور اقتصادی لحاظ سے ان کے درمیان فرق ہے لیکن سب کے سب

قانون انسانیت کے سامنے ایک جیسے ہیں اور سب کے لئے یکساں سماجی حقوق ہونے چاہیے۔

اگر آپ فیصلہ کر لیتے ہیں اور جنوب کی مدد کے لئے دوڑ پڑیں گے حکومت بھی چار و ناچار آپ کے فیصلے کا احترام کرے گی، جنوبی لبنان اور وہاں کی آبادی کے لئے کوئی راہ حل تلاش کرے گی۔ اے لوگو! اگر جنوبی لبنان کو کچھ ہو جاتا ہے تو ملک بھی نہیں بچے گا۔ جنوب، لبنان کا ثقافتی اور مالی سرمایہ ہے اور ایسا نہ ہو کہ اسرائیل کے لئے چراگاہ بن جائے۔ میں اس پیغام کو لبنان کے تمام لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں کہ ' خبر دار رہنا! میں نے اپنی ذمہ داری کو ادا کر دیا ہے"

اس پائیداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت نے اس خطے کی مشکلات پر تحقیق کے لئے "مجلس جنوب" کی تشکیل پر رضامندی کا اعلان کر دیا اور

تیس لاکھ لیرہ (ایک تہائی ملک کے لئے قومی بجٹ کا تین فیصد حصہ) کی رقم اسرائیلی حملوں سے متاثرہ لوگوں، تعمیراتی سرگرمیوں اور جنوب کی تعمیر نو کے لئے مختص کی۔ اس کے بعد سے ٢٦ مئی کا دن لبنانی کیلنڈر میں "روز جنوب" اور امام صدر کے نام سے درج کیا گیا ہے۔

سول نافرمانی

ستر کی دہائی کے ابتداء میں سیّد موسیٰ کو اب ہر جگہ "امام صدر" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ان کے مقام اور اثر و رسوخ کا اب تقاضا یہ تھا کہ جنوب کی شیعہ آبادی کے جو جائز حقوق اور مطالبات پامال کئے گئے تھے وہ ایک ایک کر کے طلب کریں۔ یہاں پر انہوں نے محروم شیعہ آبادی کے لئے اپنی بیس نکاتی درخواست حکومت کے سامنے رکھی۔ انہوں نے اس درخواست میں شیعہ آبادی کی اہم ضروریات پیش کیں کہ جن میں سے کچھ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

- اسرائیل کے مقابلے میں ہر گاؤں میں ایک پناہ گاہ یا بنکر کی تعمیر
- ہزاروں ایسے مسلمانوں کے لئے لبنانی شناختی کارڈ کا اجراء کہ جنہوں نے

فرانس کے استعماری دور میں استعماری ایجنٹوں سے شناختی کارڈ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

- جنوبی لبنان سے بیروت تک ایک شاہراہ کی تعمیر۔
- جنوب میں دریائے لطانی پر ڈیم کی تعمیر جو کہ سترہ سال پہلے اسرائیلی حملے کا نشانہ بنا تھا۔ ان (اسرائیلیوں) کی کوشش یہ تھی کہ اس کا پانی مقبوضہ فلسطین کے اپنے شہروں کی طرف موڑ دیں اور اسی لئے حکومت لبنان کو ڈیم کی تعمیر سے روک دیا تھا۔
- حکومتی اور فوجی مناصب کی عادلانہ تقسیم۔
- ظلم و ثروت اندوزی کو روکنا اور دولت کی عادلانہ تقسیم۔

لیکن حکومت نے اس کی مخالفت کی اور سیّد کسی بھی قیمت پر پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے حکومت کے نام الٹی میٹم جاری کیا

کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر ان مطالبات پر غور نہیں کیا گیا تو سارے شیعہ وزیر اور عہدہ دار اپنے اپنے عہدوں سے استعفاء دیں گے اور بے توجہی کی صورت میں سارے لبنان میں سول نافرمانی شروع کی جائے گی۔

لیکن رمضان ۱۹۷۳ء کی عرب اسرائیل جنگ اس بات کی طالب تھی کہ ساری قوتیں بیرونی دشمن کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتیں۔اسی بناء پر شیعہ آبادی کے مطالبات چھ ماہ یعنی ۱۹۷۴ء تک سرد خانہ میں پڑے رہے۔

اس سال حکومت کی بے توجہی کے جواب میں سیّد موسیٰ کی طرف سے مسلح مظاہروں کا اعلان ہوا۔بعلبک کے پچھتر ہزار باغیرت باشندوں نے سڑکوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا اور ان کے بندوقوں کی گولیوں سے فضا کے کان پھٹ گئے تھے۔لبنانی فوج کے پاس صرف بارہ ہزار افراد

تھے۔ اس طرح اب ان کے پاس تسلیم کے بغیر کوئی اور چارہ نہ تھا۔ لوگوں کے اس جم غفیر نے قسم کھائی تھی کہ ناجائز امتیازات کے خلاف آخری قطرہ خون تک جد وجہد اور اپنے حقوق کا دفاع کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حکومتی مشینری کی طرف سے اعلیٰ افسروں پر مشتمل سات نفری کمیٹی قائم کی گئی تاکہ شیعہ آبادی کے مطالبات پر غور وخوض کیا جائے۔ اگرچہ اس کمیٹی نے سارے مطالبات کو برحق قرار دیا اس کے باوجود حکومت نے اس پر عمل درآمد سے سرپیچی کی۔ نتیجہ کے طور پر سیّد نے دوسری بار مسلح مظاہرے کا فیصلہ کرلیا۔

حکومت نے کامل اسعد کو یہ ذمہ داری سونپ دی کہ وہ لوگوں کو یہ باور کرائے کہ سیّد موسیٰ کے حکومت سے نہیں بلکہ علماء سے اختلافات ہیں۔ اس طرح وہ اہل تشیع کی توجہ حکومت سے ہٹا کر داخلی قبائل کی

طرف موڑنا چاہتے تھے۔ مخالفوں نے افواہ سازی کی کہ چونکہ بعلبک کے رہنے والے امام موسیٰ صدر کے طرفدار تھے اس لئے ان کی پیروی کی وگرنہ صور کے رہنے والوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ قدیم الایام سے کامل اسعد کے پیروکار مانے جاتے ہیں۔

امام موسیٰ نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اعلان کیا کہ شیعہ علماء کے ساتھ ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور کامل اسعد کے بیانات پر خاموشی اختیار کی۔ اس کے علاوہ لوگوں کی بڑی تعداد میں شرکت زبان حال سے ساری صورتحال کو روشن کرنے کے لئے کافی تھی۔

اور پھر روز موعود آن پہنچا۔ جس خوف و ہراس میں جنوب کے باشندے جی رہے تھے اس کا دور دور تک کوئی نام ونشان بھی نہ تھا۔ صور کی چار لاکھ آبادی میں سے ڈیڑھ لاکھ افراد نے اس مظاہرے میں شرکت

کی۔

حکومتی اہل کاروں نے لوگوں کی آمد ورفت روکنے کے لئے سڑکوں پر کیلیں بچھائی تھیں۔ ڈاکٹر مصطفی چمران نے مدرسہ جبل عامل کے کچھ طالب علموں کے ہمراہ کھیتی باڑی کے ایک بڑے ٹریکٹر اور دوشہ تیروں کی مدد سے جو ٹریکٹر کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے، سڑکوں کی پاک سازی کی۔

میرا خیال تھا کہ حکومتی اہل کار ٹریکٹر کا راستہ روکیں گے۔ اس لئے بعلبک کے دو افراد کو کلاشنکوف سے مسلح کر کے ٹریکٹر کے اندر چھپا دیا۔ اس کے بعد کچھ سپاہیوں نے ہمارا راستہ روکا۔ ان کا افسر ٹریکٹر ڈرائیور کے پاس آکر بڑے تکبر سے کہتا ہے: "تم کون ہو؟" اس نے جواب دیا: " میں مدرسہ جبل عامل کا طالبعلم ہوں۔" افسر نے اسے گالی دی اور توہین

کی۔اسی لمحہ دو بعلبکی کھڑے ہوئے اور اس کا نشانہ لیتے ہوئے دھمکی دی

کہ اگرایک سیکنڈ کے اندر اندر یہاں سے نہیں گئے تو سب کو بھون ڈالیں

گے۔افسر نے فوراً فوجی سلامی دی اور کہا"معافی چاہتا ہوں میں آپ کو

پہچان نہ سکا"اور پھر وہ نو دو گیارہ ہو گئے۔

اسعد نے کچھ لوگوں کو خریدا تھا تاکہ مظاہروں میں خون خرابہ ہو

لیکن سیّد کی دھمکی اور لوگوں کو پر امن رہنے کی دعوت سے یہ مسئلہ بھی

لوگوں کے حق میں تمام ہوا۔

اس منصوبے کی آخری کڑی یہ تھی کہ مظاہروں کو بیروت تک

وسعت دی جائے، یہاں ایک عمومی بھوک ہڑتال کرانا اور اس شہر کی

سڑکوں پر قبضہ کرنا تھا۔لیکن یہاں پر بھی کچھ ایسے مسائل کہ اس بار بھی

جن کا تعلق فلسطین سے تھا اس بات کا سبب نبے کہ اہل تشیع کے کچھ

مطالبات پھر سے سرد خانے کی نذر ہو گئے۔

امل

تلخ یا شیرین، یہ ایک حقیقت ہے کہ امام موسیٰ صدر سے پہلے لبنان کے عوام اور پارٹیوں کی جانب سے اسرائیل کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی سرگرمی عمل میں نہیں آئی تھی اور سیّد پہلے ایسے فرد ہیں کہ جنہوں نے اپنی فعالیت کے آغاز سے ہی صیہونیت کے خلاف جدوجہد کو مد نظر رکھا تھا۔ صنعتی اسکول اور بقاع جیسے خطوں کے جوانوں کی اس جدوجہد میں پرچمداری اس دعویٰ کی صداقت پر بہترین دلیل ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کافی نہ تھا اور ایک منظم فوجی تنظیم کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی

۱۹۷۳ء میں اس تنظیم نے خفیہ طریقہ سے شیعہ جوانوں کی فوجی

تربیت شروع کردی۔ ان کاروائیوں کا مرکز "یمونہ" نامی گاؤں تھا جو بقاع کے اطراف میں بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان واقع تھا۔

ان کورسز کے مدیر ڈاکٹر چمران تھے اور ان کا اصل مقصد مستعد جوانوں کو اسرائیل کے خلاف مقابلے کے لئے تیار کرنا تھا۔

امام موسیٰ کی دلیل یہ تھی کہ حکومت نے جبل عامل کو فراموش کر دیا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ حکومت اسرائیلی دست درازیوں سے مقابلے کی سکت نہیں رکھتی ہے۔ اس لئے خود ہم پر لازم ہے کہ اس سے مقابلے کے لئے تیاری کریں۔

۱۹۷۵ء میں ان سرگرمیوں کا دائرہ بڑھ گیا۔ مشرقی لبنان کے پہاڑی سلسلے اور شام کے پڑوس میں کچھ تربیتی کیمپ بنائے گئے اور فورسز "عین البنیة" نامی خطے میں متمرکز ہوئیں۔

ہم فوجی ماموریت کے لئے جنوب گئے ہوئے تھے۔امام موسیٰ صدر کا حکم تھا کہ غذائی اجناس کے حصول کے لئے صرف ان کی طرف ہی رجوع کیا جائے۔ لیکن حالات کچھ اس طرح پیش آئے کہ برادران کے پاس آٹھ دن تک خشک روٹی کے علاوہ کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ان ہی دنوں میں ہمارے کچھ دوست آبادی سے خالی شہر کی طرف گشت کی غرض سے نکل گئے تھے۔انہیں ایک باغ میں شہد کے پانچ عدد چھتے مل گئے تھے اور بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان میں سے دو چھتے اپنے ساتھ لے کر گئے

امام کو اس واقع کا پتہ چل گیا تھا۔انہوں نے مجھے بیروت بلایا۔ معمول کے بر خلاف ہمارے ساتھ سرد مہری سے پیش آئے اور فرمایا:

"اگر ہمیں شہید ہونا ہے تو اس کے لئے پاک اور خالص ہونا پڑے گا

. ایسا نہ ہو کہ ہم دوسروں کے اموال پر دست درازی کریں اور ان کے

شہد اور چھتوں کو غارت کریں"۔

اس کے بعد مجھے چھتوں کی اصلی قیمت سے زیادہ پیسے دیئے تا کہ ان

کے مالک کو ڈھونڈ کر لوٹا دوں اور اس سے بخشش طلب کروں۔ چھتوں

کے مالک کو جب واقعہ کا پتہ چلا تو بہت رویا اور کہنے لگا

"میری جان امام اور تم حریت پسندوں پر قربان۔" پھر ہمارے

شدید اصرار پر پیسے لے لیئے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ بطور ہدیہ وہ پیسے

ہمیں واپس لوٹائے گا تا کہ برادران کے لئے کھانا مہیا کیا جا سکے۔

اگرچہ سیّد ابھی تک اس تحریک کے عمومی اعلان کے لئے آمادہ نہیں

تھے لیکن تربیتی کورس کے دوران ایک انسٹرکٹر کے ہاتھ میں انٹی ٹینک

مائن کا اچانک دھماکہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں ۲۸ افراد شہید اور ۴۵ افراد زخمی ہوئے۔ اس واقع کے نتیجے میں سیّد نے ۶ جولائی ۱۹۷۵ء کو ایک پریس کانفرنس میں " حرکت محرومین "کی فوجی ونگ "امل "یا "افواج مقاومت لبنان "کی تاسیس کا رسمی اعلان کیا۔

مسلمان عیسیٰ

میرا ایمان ہے کہ لبنان کی تاریخ کو دو بالکل مختلف ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ امام موسیٰ صدر سے پہلے کا دور اور امام موسیٰ کا دور۔

("آسٹریا کا لارڈ پادری، کارڈینل فرانسس کوینگ")

لبنان کے عیسائی جوانوں اور بزرگوں سے سیّد موسیٰ کے دوستانہ اور پر جوش تعلقات کا آغاز سیّد موسیٰ کی لبنان آمد کے ابتدائی دنوں سے ہی ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیّد موسیٰ نے چالیس سال پہلے پہلی مرتبہ نہ فقط "انسانی ادیان اور تمدنوں کی بقائی باہمی" کا تصور پیش کیا تھا بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب خود مغرب والوں کے لئے بھی "گلوبل ویلج" اور "تمدنوں کے درمیان گفتگو" جیسی تھیوریاں ناقابل ہضم تھیں۔

سیّد موسیٰ نے عیسائیوں کے تین عظیم مراکز: جنوب میں "دیر المخلص" اور بیروت کے وسط میں "کبوشیہ" چرچ اور شمالی لبنان میں "مار مارون" میں حاضری دے کر اس مذہب کے ماننے والوں کو ایسا جوش و جذبہ عطا کیا جو سیّد سے ملاقات کے دوران صرف شیعوں میں دیکھنے کو ملتا تھا۔ یہاں تک کہ عیسائی رہنما صاف صاف کہا کرتے تھے ک:ہ

"جناب صدر کی ایک گھنٹہ کی تقریر سے جو معنویت اور روحانیت ہماری دیروں میں پیدا ہو جاتی ہے ایسی معنویت پیدا کرنے کے لئے ہمیں چھ سال لگ جاتے ہیں"۔

مثال کے طور پر صور میں رہائش کے دوسرے سال ایک عیسائی آئس کریم بیچنے والے کی سیّد موسی سے ملاقات کی خبر جنگل کے آگ کی طرح پورے لبنان میں پھیل گئی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کا عیسائیوں

کے ساتھ لین دین حرام سمجھا جاتا تھا اور صور جیسے شہر میں کہ جہاں کی اکثریت مسلمانوں کی تھی آئس کریم فروش "جوزف انتیبیا" کا کسب و کار کساد بازاری کا شکار تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ اور اس کا گھرانہ شدید غربت میں زندگی بسر کر رہا تھا۔

انتیبیا نے سیّد کی فعالیت کا شہرہ سن رکھا تھا۔ موسم گرما میں ایک دن ان کے پاس آیا اور روتے پیٹتے اپنی مشکل ان کے سامنے رکھی۔ امام نے بھی فوراً اپنے کچھ دوستوں کو اکٹھا کیا اور انتیبیا کی دکان پر جا کر سب کے ساتھ آئس کریم کھائی۔ اس طرح ایک غلط رسم جو پورے لبنان میں سرایت کر چکی تھی، کا بہت ہی سادگی کے ساتھ خاتمہ کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے نتیجے میں لبنان کے بہت سارے عیسائی امام موسیٰ کے حلقہ طرفداران میں شامل ہو گئے یہاں تک کہ اپنی رسمی تقاریب میں

انہیں بلاتے تھے تاکہ ان کے چرچوں اور دیروں میں وعظ و نصیحت کریں

جب سیّد کا کسی عیسائی بستی میں تقریر کا پروگرام ہوتا تھا دوسری بستیوں کے لوگ بھی قبائلی رقابت کے باوجود اس میں شرکت کرتے تھے۔ سیّد موسیٰ کے لئے لوگوں کی یہ حمایت اتنی پرزور تھی کہ لبنانی عیسائیوں سے وابستہ اخبارات نے بارہا اعتراف کیا کہ: "امام صدر وہ واحد شخصیت ہیں جو لبنان کی صدارت کے حقیقی معنوں میں اہل ہیں"۔

اس شہر کے عیسائی اپنے ہم وطنوں سے ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ آپ کے آغا کو دیکھ کر ہمیں حضرت عیسیٰ یاد آتے ہیں۔ اگر وہ عیسائی ہوتے تو ہم حضرت عیسیٰ کی مانند ان کی پیروی کرتے۔ اس طرح کے واقعات بار بار اور کئی بار پیش آئے اور ان ہی میں سے "کبوشیہ" چرچ بیروت میں

"عیدِ روزہ" کے عنوان سے سیّد موسیٰ کی تقریر تھی۔ اس تقریب میں لبنان کے تمام عیسائی بزرگان نے شرکت کی اور لبنانی صدر "شارل حلو" کے توسط سے ان کا تعارف اور ادائے احترام کے بعد سیّد موسی اسٹیج پر چلے گئے اور اپنے تقریر کا آغاز ان الفاظ سے کیا۔

"خدایا میں تیرا شکر گذار ہوں۔ اے خدا! اے ابراہیم و اسماعیل کے خدا! موسیٰ و عیسیٰ کے خدا! کمزوروں کے خدا اور ساری مخلوقات کے خدا!"۔

اس تقریب میں سیّد موسیٰ کی گفتگو نظریہ "بقائے باہمی ادیان" پر ان کی ایک مستدل اور معتبر تقریر مانی جاتی ہے اور اب بھی یہ حکیمانہ غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

"ادیان ایک تھے اور ایک ہی مقصد کے طالب؛ زمینی خداؤں اور

طاغوتوں کے خلاف جنگ، کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت۔ یہ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں اور جوں ہی ادیان غالب آ گئے اس کے ساتھ ساتھ کمزور طبقہ بھی غالب آیا۔ طاغوت نے اپنا بھیس بدلا اور اپنے اہداف کے حصول کے لئے دین پر بھی سبقت لے گئے۔ وہ دین کے نام سے دین پر حکومت کے درپے ہوئے اور اس طرح مظلوموں کی مشکلات میں دو چنداں اضافہ ہوا اور ادیان بھی اختلاف اور مصیبت کے شکار ہوئے۔ لہذا اختلاف کی کوئی وجہ نہیں ہے مگر مفاد پرستوں کے فائدہ میں"

اخبار "النہار" کا عیسائی نامہ نگار اس تقریب کے سلسلے میں رقمطراز ہے:

"طول خطاب کے دوران سانسیں سینوں میں حبس ہو کر رہ گئیں تھیں۔ لوگ عاشقانہ انداز میں امام کی تقریر سن رہے تھے۔ تقریر کے

اختتام پر اور جب لارڈ پادری نے امام صدر کو ضیافت کے ہال میں داخل ہونے کی دعوت دی، ایک دم سے لوگوں نے ہلا بول دیا۔ ہر کوئی امام تک پہنچنے کی کوشش میں تھا تاکہ ان کے ساتھ ہاتھ ملائے اور مصافحہ کرے"۔

قدرتی طور پر عیسائی رہنماؤں سے سیّد موسیٰ کی ملاقات لبنان تک محدود نہ تھی۔ انہوں نے دو بار واٹیکن کا دورہ کیا اور پوپ سے ملاقات کی ۔ان میں سے ایک ملاقات کے دوران انہیں پندرہ منٹ کا وقت دیا گیا تھا تاکہ مسئلہ فلسطین کے بارے میں دنیائے عیسائیت اور واٹیکن کے موقف کے بارے میں گفتگو کریں لیکن یہ ملاقات خود پوپ کی درخواست پر دو گھنٹوں سے زیادہ جاری رہی۔

اس کے علاوہ سیّد کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ جس طرح وہ عیسائیوں کی مذہبی تقاریب میں خطبہ پڑھتے ہیں، عیسائی رہنماؤں کو بھی

مسلمانوں کی تقریبات مثال کے طور پر نماز جمعہ میں تقریر کرنے کی دعوت ملنی چاہیے۔ لیکن بد قسمتی سے یہ کوشش ناکام ہو گئی اور اگر اسے عملی جامہ پہنایا جاتا تو مغرب کے کج فہم حضرات کی سازشیں ہمیشہ کے لئے ناکام ہو جاتی۔ اس کی وجہ بھی بعض افراد کی دشمنی اور لبنان کی داخلی جنگ تھی۔

فلسطین یا لبنان کی تقسیم!

گزر زمان اور "یاسر عرفات" جیسے افراد کے حقیقی روپ کی نمائش سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اس زمانے میں جو تنظیمیں فلسطین کی آزادی کے نام پر سیّد موسیٰ کو اپنی دشمنی کا نشانہ بناتیں تھیں، انہوں نے کس طرح اپنے چہروں کو منافقت کی نقاب کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ فلسطین کی فریب خوردہ جماعتیں، جو بائیں بازو اور مصری احزاب کی حمایت سے لبنان میں اپنی کارروئیاں کر رہی تھیں، حقیقت میں جنوبی لبنان پر قبضہ کرنے اور اس خطّہ کو اپنے کنڑول میں لینے کی تمنا کے ساتھ اسرائیل اور امریکہ کے بے شرمانہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے زمین ہموار کر رہیں تھیں۔

مثال کے طور پر ۱۹۷۸ءکے اسرائیلی حملے سے پہلے لیبیا کی حکومت
نے فلسطینی تنظیموں کے لئے بھاری اسلحے کی بہت بڑی کھیپ روانہ کی
تھی۔ چونکہ انہیں یہ اسلحہ رکھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ دستیاب نہ
ہوئی اس لئے جنوبی لبنان میں مقیم لوگوں کے باغات پر قبضہ کر لیا اور
صاحبان زمین کو وہاں سے نکلنے کا حکم دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اعلان کیا کہ
ان باغوں کے مالکان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی زمینوں پر قدم رکھ
سکیں۔ حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی لبنان کے باشندوں کو یہ
علاقے چھوڑنے پر مجبور کریں تاکہ امریکہ اور اسرائیل کی تجویز پر اپنی
فلسطینی مملکت کو اسی خطّے میں قائم کر سکیں۔ جنوب کے غیرت مند
جوان اتنی آسانی سے سر تسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے ان
فلسطینی گروہوں کے بے شرمانہ اعمال یہاں تک کہ شراب نوشی ملاحظہ

کر کے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور بائیں بازو کے کئی ایک شریر عناصر کو ان کے فسادی اعمال کی وجہ سے بارہا میدان جنگ سے رخصت کیا۔

حرکت امل سے وابستہ شہداء کے پہلے دستے کی یادگاری کانگریس یونیسکو ہال بیروت میں منعقد ہوئی۔ایک عظیم اور باشکوہ تقریب تھی اور لبنان و فلسطین کے اکثر حکومتی عہدہ دار شریک تھے۔عرفات بھی لوگوں کی اگلی صف میں بیٹھا تھا۔امام صدر نے ایک ولولہ انگیز تقریر کی اور اپنے خطاب کے دوران یاسر عرفات سے مخاطب ہو کر کہا

"ابو عمار! یہ یاد رکھو کے قدس کی شرافت اس بات کو برداشت نہیں کر سکتی کہ بے ایمانوں کے ہاتھوں آزادی حاصل کرے"

۱۹۷۵ءکے اوائل میں " فالانگا" نے لبنان کی خانہ جنگی کے پہلے

مرحلے کا آغاز فلسطینی تنظیموں اور جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی پر شبخون سے شروع کیا۔ اسرائیل فالانگا کی حمایت کے ذریعے بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہا تھا اور اس کوشش میں لگا رہا کہ سیّد موسیٰ کا نظریہ "بقائے باہمی ادیان" ناکام ہو جائے اور اس صورتحال کو فرقہ وارانہ جنگ میں تبدیل کرے۔

سیّد موسیٰ اس سازش کو ناکام بنانے کی خاطر بیروت کی مسجد عاملیہ میں دھرنا دے کر بیٹھ گئے اور بھوک ہڑتال کی۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ لبنان کی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے اور لبنان کی تقسیم کی سازش ناکام ہو جائے۔

ان کی خواہش اور حافظ اسد کی تائید سے شام کی فوج جنوبی لبنان میں تعینات کی گئی اور خانہ جنگی کے خاتمہ کے لئے وارد میدان ہوئی۔ شام کے آنے سے ایک تو لبنان کی قومی سالمیت محفوظ رہی۔ اگر شام نہیں آتا

لبنان ٹوٹ جاتا۔ ایک حصے کو اسرائیل نگل جاتا اور دوسرا حصہ اسرائیل کی چھتر چھایا میں زندہ رہتا۔ اور بچا کھچا بائیں بازو کی جماعتوں کے لئے بچ جاتا۔

دوسرا یہ کہ فلسطین کی حریت پسند تنظیموں کو نابودی سے نجات مل گئی۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ فلسطینی تنظیموں نے سیّد موسیٰ کی اس حرکت کو شام اور سیّد موسیٰ کا ان کے خلاف اتحاد تصور کیا اور انہیں "جنوبی لبنان ایک نیا فلسطین" کا خواب چکنا چور ہوتا دکھائی دیا یہاں تک کہ الفتح کے ایک کمانڈر نے بڑی بے شرمی کے ساتھ دھمکی دیتے ہوئے کہا

"اے امام ! ہمارا آپ سے صاف صاف مطالبہ ہے کہ شام کے خلاف بیان جاری کریں۔ اگر ایسا کیا تو خیر و گرنہ آپ کو شام کا طرفدار اور فلسطین کا مخالف مان لیا جائے گا۔ اس صورت میں آپ قتل کردئے جائیں گے"

اس طرح سے خانہ جنگی کا دوسرا دور ۱۹۷۶ء میں مصر کی حمایت یافتہ یاسر عرفات کی فورسز اور صیدا میں تعینات شامی فوج کے درمیان شروع ہوا۔ یہ جنگ چھ ماہ تک چلی۔ شام کی ان کوششوں کے برعکس کہ فلسطینی نقصان سے محفوظ رہیں، فلسطینیوں نے ایک بزدلانہ کاروائی کے دوران شامی فوج کے ایک دستے پر حملہ کر کے ۱۴ ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو تباہ کر دیا۔ اس بعد فوجیوں کی عریاں لاشوں کو گاڑیوں سے باندھ کر صیدا کی سڑکوں پر گھومتے رہے۔

شام نے اس کاروائی کے جواب میں حریت پسندوں کی ان اہم ترین گزرگاہوں کو بند کر دیا جو شامی سرحد سے گذرتی تھیں۔ اس صورتحال میں سیّد موسیٰ نے اختلافات کو مٹانے کی خاطر ایک بار پھر تحریک آزادی فلسطین کے تئیں اپنی حمایت کا اعلان کر دیا اور دونوں فریقوں کو امن کی

پیشکش کرتے ہوئے کہا:

"میں اپنی عبا، عمامہ اور محراب کے ساتھ تحریک آزادی فلسطین کی حمایت کرتا ہوں"

اگرچہ یاسر عرفات کے ایک کمانڈر نے سیّد موسیٰ کی پیشکش کا یوں جواب دیا تھا:

"اس ایرانی سے کہہ دو کہ اپنی عبا، عمامہ اور محراب اٹھا کر اپنے ملک چلا جائے"

لیکن اس کے باوجود یاسر عرفات سیّد موسی کے پاس آیا اور ان سے حافظ اسد کے پاس وساطت کی درخوست کی۔ یہ واقعات عین اس وقت پیش آئے جب "حازمیہ "بیروت میں مجلس اعلیٰ کی عمارت پر فلسطینی گروہوں کی جانب سے میزائل حملہ ہوا تھا اور یہ خدا کی مرضی تھی کہ سیّد

موسیٰ کی فیملی جو اسی عمارت کی چوتھی منزل میں مقیم تھی، بال بال بچ گئی تھی۔ بہر حال سیّد موسیٰ نے یاسر عرفات کی درخواست قبول کی اور لبنان کے ایک فوجی جہاز میں شام روانہ ہوئے۔ البتہ عرفات کے حامیوں نے راستے میں اس جہاز پر ۷٦ انٹی کرافٹ گولیاں چلائیں لیکن اس بار بھی وہ بچ گئے۔ انہوں نے شام کے حکومتی عہدہ داروں سے ملاقات کے بعد جنگ بندی کا معاہدہ کرنے کے ساتھ ساتھ سینکڑوں ٹن آٹا خرید کر فلسطینی اور جنوبی لبنان کے مظلوم اور محصور عوام تک پہنچایا۔

اس کے باوجود بھی عرفات کے حامی جان چھوڑنے والے نہیں تھے اور کچھ ہی عرصہ کے بعد جنگ بندی توڑ ڈالی اور سیّد موسیٰ کے رہائشی مکان پر حملہ کر دیا۔ لیکن جس چیز نے امام کو مغموم کر رکھا تھا وہ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی پر فلسطینیوں کا شبخون تھا۔ انہوں نے یہاں کے

لوگوں پر ہر قسم کا ظلم و ستم روا رکھا تھا جنہوں نے سالہا سال تک ان کی میزبانی کا حق ادا کیا تھا۔ انہی افسوس ناک واقعات میں سے ایک واقعے کے دوران جنوبی لبنان کے پانچ شیعہ جوانوں کی گاڑی پر ایک فلسطینی گروہ نے دھاوا بول دیا تھا۔

امام صدر اس صورتحال کے مقابلے میں ہمیشہ لوگوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے تھے۔ ہمیشہ ان کی یہ کوشش رہتی تھی کہ جنوبی لبنان کی شیعہ آبادی اور فلسطینیوں کے درمیان فساد کی روک تھام کر کے امریکہ اور اسرائیل کو ان کے شیطانی مقاصد سے باز رکھے۔

"ایک مرتبہ خاندان آل جابر کے دو افراد فلسطینیوں کی گھات میں بیٹھ گئے۔ اپنی دفاع میں گولیاں چلائیں اور دو فلسطینی قتل ہو گئے۔ جب ہم نے سیّد موسیٰ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، انہوں نے کہا کہ " کیا قتل کر

دیا؟ ان کو ڈرا کر بھگا سکتے تھے یا کم از کم ان کے پاؤں میں گولی مارتے۔"

اس کے بعد تاکید کی کہ ہمارے اور فلسطینیوں کے درمیان قتل و غارت گری سے فساد پھیل جائے گا۔ میں کسی بھی صورت میں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا ہوں۔

لیکن ۱۹۷۶ء میں انصار نامی گاؤں کے واقعہ نے فلسطینیوں کی بے داد گری کی حد کر دی۔ رات کے وقت فلسطینی جنگجوؤں کی ایک بڑی تعداد نے حرکت محرومین سے وابستہ جوانوں کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ ان میں سے کئی لوگوں کو گرفتار کرنے کے ساتھ ساتھ، گھر والوں کی مار پیٹ کی اور کافی تعداد میں گاڑیوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔

اس کے اگلے روز بائیں بازو والی جماعتوں اور فلسطینیوں نے اعلان کیا کہ اس شرط پر جوانوں کو آزاد اور گاؤں کو خالی کیا جائے گا کہ حرکت

محرومین سے وابستہ جوان امام صدر کے خلاف بیان جاری کریں۔اس کے ساتھ ساتھ اپنے ہتھیار بائیں بازو کی پارٹیوں کے تحویل میں دیں۔اور یہ کہ شامی افواج کے خلاف جنگ میں شرکت کریں۔

لیکن ڈاکٹر (مصطفی) چمران، جنہیں بھاگ کر آنے والوں میں سے کسی نے اس واقعہ کی اطلاع دی تھی،انصار اور اس سے ملحقہ دیہاتوں کے حریت پسندوں کو حرکت میں لاتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ :" اگر یہ لوگ گاؤں چھوڑ کر چلے نہیں جاتے تو وہ ان پر حملہ کر دیں گے۔"ڈاکٹر چمران کے ماضی سے واقفیت کی بناء پر یہ دھمکی کار گر ثابت ہوئی اور اس طرح حملہ آوروں کی پسپائی کے ساتھ ہی شورش کا خاتمہ ہو گیا۔

اسی سال اور اب کی بار سعودی عرب اور کویت کی انور سادات اور حافظ اسد کے درمیان ثالثی اور صلح کی پاسدار عربی فوج کی موجودگی سے

لبنان کی خانہ جنگی کے دوسرے دور کا خاتمہ ہوا۔

اور مجاہد بھاگ گئے!

۱۹۷۸ ءمیں اسرائیل نے اپنی تمام قدرت کے ساتھ جنوبی لبنان پر حملہ کر دیا اور دریائے لیطانی تک پیش قدمی کی۔ انہوں نے زمین اور فضا سے جنوبی لبنان کو تہس نہس کر دیا اور بے آسرا لوگوں کے لئے بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن بد قسمتی سے اسرائیلی حملے کے آغاز میں ہی فلسطینی عسکریت پسندوں نے اپنے ہتھیار چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر لی۔ انہوں نے دریا کے پیچھے پوزیشنیں سنبھال لیں اور کسی ہدف کے بغیر جنوبی لبنان پر بمباری شروع کر دی۔ ایسی جگہوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنانے کے بجائے کہ جہاں پر اسرائیلی اکٹھے ہوتے تھے وہ اکثر اوقات شیعہ نشین علاقوں پر بمباری کرتے تھے۔ اس طرح جنوبی لبنان کے مظلوم

عوام دو اطراف سے حملوں کی زد میں تھے۔

ایک گاؤں میں لوگوں نے مسجد میں پناہ لے رکھی تھی لیکن اسرائیل نے اس مسجد کو پناہ گزینوں سمت زمین بوس کر دیا اور اس واقعہ میں ۸۰ شیعہ افراد شہید ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد سیّد موسیٰ بے گھر لوگوں کی صورتحال جاننے کے لئے خود "غازیہ" نامی گاؤں چلے گئے اور وہ زمین پر ہی بیٹھ گئے جنوبی لبنان کے جنگ سے متاثرہ لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے اور فلسطینیوں کی جانب اشارہ کر کے کہہ رہے تھے

"میں برادران سے درخواست کرتا ہوں کہ ہمیں اجازت دیں ۔۔۔اب کے بعد ذمہ داری ہمارے اپنے کندھوں پر ہے۔ اب تک ہم نے ان کی مدد کی تا کہ وہ اپنے وطن کو آزاد کریں۔ لیکن اس سے آگے ذمہ داری ہماری اپنی ہے۔ ہم اپنے وظیفہ پر عمل کریں گے اور اب یہاں سے

آگے برادران کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ہماری مدد کریں"

صہیونی حکومت کے ایک کارندے "سعد حداد "نے اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں اس سوال کے جواب میں کہ فلسطینی تنظیموں اور لبنان کی بائیں بازو والی جماعتوں سے کس طرح نمٹ لیں گے، کہا تھا:

"کئی ایک راستے ہیں کہ جن کی کامیابی اتنی یقینی ہے کہ جنگ کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو لالچ دیا جائے یا خریدا جائے۔ دوسری راہ یہ ہے کہ خواتین کو استعمال کیا جائے اور لوگوں کے اخلاق کو فاسد کیا جائے۔ اور اگلی راہ یہ ہے کہ جدید ہتھیار اور اچھی گاڑی تحفے میں دی جائے اوجب انہیں یہ سب کچھ مل جائے گا تو وہ خود ہی ہمارے دروازے پر آئیں گے"!

پھر اس سے پوچھا گیا کہ اگر ایسا ہے تو پھر جنگ کیوں جاری ہے؟

اس نے جواب میں کہا: "ہمارے سامنے صرف ایک مشکل ہے اور وہ "موسیٰ صدر کے جوان" ہیں۔ ان لوگوں کے ساتھ کسی بھی صورت میں سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ یہ لوگ پیسوں سے محروم ہیں اور غریب ہیں، اگرچہ ان لوگوں کے پاس گاڑی نہیں ہے اور پیدل میدان جنگ میں آتے ہیں، اگرچہ ان کے پاس جوتے نہیں ہیں اور جھاڑے کی برفباری میں، مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان کی ضد ہے کہ ہمارے ساتھ جنگ کریں۔ ابھی تک ہمارا ان کے ساتھ سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔ اگر ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑ بھی دیں تب بھی وہ ہم سے الجھتے ہیں۔

امام اکبر

جولائی ۱۹۶۳ء کی بات ہے۔ ۵ جون کے خونین انقلاب اور امام خمینیؒ کی شاہ کے ایجنٹوں کے ہاتھوں گرفتاری کو ابھی ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا۔ انہی دنوں سیّد موسیٰ نے پہلی دفعہ واٹیکن اور کچھ یورپی اور شمالی افریقہ کے ممالک کا دورہ کیا تاکہ پوپ اور دوسری ممتاز سیاسی شخصیتوں کے ساتھ ملاقات کر کے ایرانی عوام اور امام خمینی کے حق میں حمایت حاصل کر سکیں۔ یہ دورہ دو مہینے تک جاری رہا اور حوزہ علمیہ کے بہت سارے بزرگان کی نظر میں اس دورہ کا امام خمینی کی زندان سے رہائی میں کلیدی رول رہا ہے۔

سیّد ہمیشہ امام کو "الامام الاکبر" کے نام سے یاد کرتے تھے اور کہا

کرتے تھے:

"امام خمینی میرے اور ایران کے تمام مجاہد علماء کے استاد ہیں۔ انقلاب اسلامی ایران کی رہبری ان کے ہاتھ میں ہے اور صرف وہی حکومت شاہ کو سرنگوں کر سکتے ہیں۔"

اس ادائے احترام کا اظہار اس وقت اور زیادہ شدت کے ساتھ سامنے آیا جب سیّد موسیٰ کی طرف سے ڈاکٹر شریعتی کے لئے چہلم اور پھر شہید مصطفی کی یاد میں تعزیتی مراسم کا انعقاد کیا گیا۔ اس تقریب میں امام خمینی کی تصویریں لوگوں میں تقسیم کی گئیں جن کے نیچے عربی اور انگریزی زبانوں میں یہ تحریر موجود تھی "سیّد روح اللہ الموسوی الخمینی المرجع الشیعہ فی العالم"

انقلاب اور امام کے حق میں سیّد موسیٰ کی حمایت یہیں پر ختم نہیں

ہوتی ہے بلکہ امام کے نمائندوں کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات تھے اور مالی حمایت کے ساتھ ساتھ اپنے خاص افراد کو یہ ذمہ داری بھی سونپتے تھے کہ امام خمینی کے پیغامات، پوسٹر اور کیسٹیں دنیا کے مختلف علاقوں تک پہنچا دیں۔ یہاں پر جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ امام کے لئے سیّد موسیٰ کی بے انتہا چاہت یک طرفہ نہیں تھی بلکہ امام بھی سیّد کو ایک مرجع اور ممتاز و قابل رہبر مانتے

تھے۔ ان سے محبت کرتے تھے اور ایام جدوجہد میں بارہا اس سوال کے جواب میں کہ اس انقلاب کی رہبری کے لئے کس کو مد نظر رکھا ہے، وہ سیّد موسیٰ صدر کا نام لیتے تھے۔

لبنان کی خانہ جنگی جب عروج پر تھی اور مخالفوں نے امام موسیٰ صدر کو لبنان کے داخلی منظر نامے سے ہٹانے کے لئے اختلافات اور ایک

متبادل نوکر کی فراہمی کو راہ علاج سمجھ لیا تھا اور آیت اللہ سیّد حسن شیرازی نامی شخص کو سامنے لائے تھے کہ جس کی پشت پر شاہ ایران بھی تھا اور ساتھ ساتھ لبنان اور شام میں مقیم شیعوں کی ایک بڑی تعداد اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ وہاں کے سیاستدانوں کو لبنانی عوام کی حمایت حاصل ہو سکے لیکن امام خمینی نے ایک تاریخی قدم اٹھا کر اپنے ایک فتویٰ میں اس کو تمام وجوہات (خمس، زکوۃ وغیرہ) کی ادائیگی حرام قرار دے دی۔اس طرح یہ سازش ناکام ہو گئی۔

سیّد کے ناپید ہونے کے بعد امام نے کبھی بھی کرنل معمر قذافی کو ملاقات کی اجازت نہیں دی اور وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے:

اس نے ابھی تک ہمارے لئے جناب موسیٰ (صدر) کا مسئلہ حل نہیں کیا ہے۔میں کیسے اس سے مل سکتا ہوں؟!

لیبیا کے لئے ایران کے پہلے سفیر کی روانگی کے وقت اسے تاکید کی: " جب بھی جناب موسیٰ (صدر) کے بارے میں کوئی خبر ملتی ہے مجھے فوراً اور براہ راست آگاہ کرنا۔اس بارے میں کسی سے کوئی بات مت کرنا یہاں تک کہ احمد (فرزند امام خمینی)سے بھی۔"

واپسی ! ؟

بتایا جاتا ہے کہ امام صدر اس شعر کو بہت زیادہ گنگناتے تھے:

تنہا توئی با این ہمہ تنہائی ام

تنہا تو می خواہی مرا با این ہمہ رسوائی ام

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے زمانے اور اس سے پہلے کے ایام میں بہت سے لوگ اس فکر میں تھے کہ سیّد موسیٰ ایک مرتبہ پھر ایران لوٹ آئیں گے اور اپنی دلی خواہش یعنی تہران اور بیروت کو آپس میں جوڑنے کی آرزو پوری کر سکیں گے۔ لیکن ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۸ء میں لبنان کی ناساز گار صورتحال نے تقدیر کی سوئی کو کسی اور ہی طرف گھما دیا۔

جیسا کہ اس سے پہلے اشارہ کیا گیا کہ اس طویل مدت میں ایک

طرف اسرائیل کے حملے اور دوسری طرف فلسطینی تنظیموں کی بے تدبیری نے صورتحال کو شدت کے ساتھ ابتر کیا تھا۔ سیّد موسیٰ کی کوشش یہ تھی کہ عرب ممالک کی لبنان میں فوجی موجودگی کی کوششوں کے بر خلاف ایک تو جنوبی لبنان کے لوگوں کے لئے ہتھیاروں کا انتظام کریں تاکہ کم از کم اسرائیلی حملوں سے اپنی حفاظت کر سکیں اور دوسرا ان ممالک کے ذریعے کہ جن کی فلسطینی تنظیموں سے تعلقات تھے ،ان تنظیموں پر دباؤ ڈال کر انہیں جنوبی لبنان میں ایک مناسب اور منطقی طریقہ کار اپنانے پر مجبور کر سکیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے عرب ممالک کے رہبروں سے ملاقات کی غرض سے بڑی تعداد میں دورے کئے۔ اور ان دوروں کی آخری کڑی لیبیا کا دورہ تھا کہ جس کا شمار پی۔ ایل۔ او اور یاسر عرفات کے اصل حامیوں میں

ہوتا تھا۔

امام موسیٰ صدر نے ۱۹۷۸ء میں کرنل معمر قذافی کی دعوت قبول کر لی اور شیخ محمد یعقوب کے علاوہ ایک معروف نامہ نگار "عباس بدر الدین" کے ہمراہ لیبیا پہنچ گئے۔ انہیں چھ دن کے بعد ہوٹل سے نکلتے ہوئے آخری بار دیکھا گیا جب ان کے چاہنے والے ان سے ملاقات کے لئے اکٹھے ہوئے تھے۔ سیّد نے ان سے کہا تھا کہ وہ کرنل قذافی سے ملنے جا رہے ہیں۔

"دو مہینے گذر چکے تھے لیکن امام کے گھر والے ان سے ملاقات نہیں کر پائے تھے۔ غیر معمولی مشکلات کا سامنا تھا اور امام مسلسل سفر کی حالت میں رہتے تھے۔ سفر سے لوٹنے پر سیدھے صور چلے گئے تھے۔ امام کے گھر والے جنہیں امام کی یاد ستا رہی تھی ان سے ملاقات کے لئے صور

چلے گئے۔ وہاں پر عوامی جلسے کا انعقاد کیا گیا تھا اور امام اس جلسہ سے خطاب کر رہے تھے۔ امام کی شریک حیات اور بیٹی حال سے متصل کچن میں چلی گئیں اور کھڑکی کے پیچھے سے امام کا دیدار کیا۔ وہ مسلسل رو رتی جا رہیں تھیں۔ کچھ برادران نے امام پر اعتراض کیا تھا اور پوچھا کرتے تھے کہ کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ گھر والوں کا بھی کوئی حق بنتا ہے۔"

امام نے ان کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا تھا:

"اگر میں اس معاشرے کا حق ادا کر سکوں، تو میرے گھر والوں کا حق بھی ادا ہو جائے گا۔ لیکن اس کے بر خلاف صحیح نہیں ہے۔ گھر والوں کے حقوق ادا کرنے سے ضروری نہیں ہے کہ معاشرہ کے حقوق بھی ادا ہو جائے

آج ان لوگوں کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے۔ میں اپنے گھر

والوں کو ان پر ترجیح نہیں دے سکتا ہوں"

امام صدر کی یہ عادت تھی کہ اپنے سفر کے دوران ہر دن مجلس اعلی کے اراکین اور اپنے گھر والوں سے ٹیلیفون پر بات کرتے تھے لیکن اس بار کئی دن گذرنے کے باوجود بھی ان کی کوئی خبر نہیں تھی۔

لہذا ڈاکٹر چمران نے اس مسئلے کی چھان بین کے لئے ایک کمیٹی قائم کی۔ لیبیا کے افسروں کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ۳۱ اگست کو اٹلی کے ایک ہوائی جہاز کے ذریعہ لیبیا سے اٹلی کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی دوران اٹلی نے بھی اعلان کیا کہ سیّد موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کے صرف سوٹ کیس اٹلی پہنچ گئے تھے۔

لگتا یہی ہے کہ امام موسیٰ صدر نے لیبیا کو کبھی چھوڑا ہی نہیں ہے۔

لیکن دکھ تو اس بات کا ہے کہ بیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزرنے کے

باوجود بھی دنیائے شیعیت کے اس فقید المثال رہبر کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات موجود نہیں ہے اوراس فرزند حسین کاوجود نورانی ابھی تک سیاہ بادلوں کی آغوش میں پنہان ہے اور اس کے دیدار شوق میں شیعوں کے دل اب بھی دھڑک رہے ہیں۔

حقیقت میں ہم سوئے ہیں!

اسلامی تبلیغ میں اصلاح کی ضرورت

"موسسہ دارالتبلیغ اسلامی قم میں امام موسیٰ صدر کی تقریر سے اقتباس"

.... تفسیر بتانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی مجھے نصیحت کرنے کا شوق ہے۔ میں چاہتا ہوں اپنا آنکھوں دیکھا حال آپ کے سامنے بیان کروں۔ سینکڑوں سال پہلے کسی زمانے میں دنیا کی ہر چیز فردی تھی۔ حکومتیں مطلق العنان تھیں ، ظلم تھا(مگر) فردی تھا ، تجارت فردی بنیادوں پر ہوتی تھی ،ایک فرد دوسرے فرد کے ساتھ تجارت کرتا تھا، ہر کوئی خود ہی کماتا تھااور خود ہی خرچ کرتا تھا۔ دنیا کی ہر چیز فردی بنیادوں پر انجام پاتی تھی۔

لیکن آج کی دنیامیں ہر چیز اجتماعی اور تنظیمی شکل اختیار کر چکی ہے۔

حکومتوں نے گروہ اور تنظیمیں تشکیل دی ہیں۔ تجارت بڑی بڑی اور محیر العقول کمپنیوں کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ تبلیغی ذرائع میں وسعت آ چکی ہے۔ مطبوعات کے بڑے بڑے مراکز وجود میں آ چکے ہیں۔ سیاستدانوں نے پارٹیاں بنا لی ہیں۔ اس منظم دنیا میں اگر اب بھی ہم انفرادی قدم اٹھائیں تو یہ نہایت سادگی ہو گی۔ اگر آج ہم مل جل کر وارد میدان نہیں ہوتے اس لئے کہ سب کچھ منظم، اجتماعی اور جماعتی ہے۔ آپ ایک مثال پیش کریں کہ وہ تنہا چل رہے ہوں، کسی تنظیم کے بغیر حرکت کریں، کسی جماعت کے بغیر آگے بڑھیں، یا فردی انداز اپنائیں، آپ نہیں ڈھونڈ سکتے ہیں۔

اب میں یہ بتانے جا رہا ہوں کہ وہ کیوں کر منظم اور مرتب ہیں۔

اب میں اپنے مشاہدات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

جس لبنان میں میری رہائش ہے وہ نہ فقط عیسائی مذہب کا ایک اہم مرکز ہے بلکہ مشرق وسطیٰ میں عیسائی مذہب (کتھولک چرچ) کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ میرا خدا جانتا ہے کہ جب میں عیسائیوں کے طریقہ کار کا ذکر کرتا ہوں میرے دل میں آگ لگ جاتی ہے۔ یہ لوگ کہ جن کا دین راہبانہ دین ہے کیوں کر اس انداز میں منظم ہو گئے ؟" لائف" نامی رسالہ کے ایک شمارے کا میں نے مطالعہ کیا ہے جو دنیا کی کیتھولک تنظیموں کے بارے میں تھا۔ اس کے مطابق کیتھولک نظام اتنا منظم ہے کہ دنیا کی تمام احزاب یہاں تک کہ روس کی مخفی اور انڈر گراؤنڈ تنظیمیں بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ روس میں پلیس راج ہے اور وہاں پر اگر کوئی حکومت مخالف پارٹی کام کرنا چاہے اسے کس قدر منظم اور عمیق ہونا چاہیے۔ اس رسالہ کے مطابق کیتھولک نظام دنیا کی انڈر

گراؤنڈ جماعتوں سے بھی منظم ہے۔ یہ تارک دنیا لوگ اس قدر منظم

ہیں!

اب دیکھتے ہیں ان لوگوں کا طریقہ کار کیا ہے؟

ان کے ادارے کئی قسم کے کام کرتے ہیں ۔ ایک ادارہ ان کے کلیساؤں پر مشتمل ہے۔ ایک جماعت چرچ کا انتظام سنبھالتی ہے۔ چرچ کا یہ انتہائی قدرت مند نظام لوگوں کی مذہبی امور کی دیکھ بھال میں اتنا منظم ہے کہ اگر کسی دور دراز کے گاؤں میں صرف ایک عیسائی گھرانہ رہتا ہو تو اتوار کے دن ایک مخصوص پادری وہاں جا کر نماز (دعا) کی رسم بجالاتا ہے ۔ لبنان میں ایک گاؤں جو کہ شیعوں کا مرکز ہے اور اس کا نام "جبع" ہے ۔ یہاں کے سارے باشندے شیعہ ہیں اور آس پاس کے سارے علاقے بھی شیعہ ہیں ۔ اس گاؤں میں ایک عیسائی گھرانہ ، جی ہاں صرف ایک عیسائی گھرانہ رہتا ہے ۔ یہاں ایک چرچ بھی ہے۔ جناب پادری ہر اتوار کو

یہاں آتا ہے اور چرچ میں نماز کی رسم ادا کر کے واپس جاتا ہے۔ یعنی آپ کو ساری دنیا میں ایک بھی ایسا عیسائی نہیں ملے گا کہ جس سے چرچ غافل ہو اور اس کا خیال نہ رکھے اور اتوار کے دن اس کے لئے نماز کی ادائیگی کا انتظام نہ کرے۔ آپ کو اس طرح کا ایک فرد بھی نہیں ملے گا۔ اب آپ دنیا کی تمام کیتھولک آبادی کا تصور کریں جو پچاس کروڑ ہے۔ یہ لوگ ان پچاس کروڑ لوگوں کو کیسے کنڑول کرتے ہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

دوسرا دستہ دیروں کا ہے جو کلیساؤں کے نظام سے الگ ہے۔ ابتدا میں یہ قرون وسطیٰ میں دینی، علمی اور مذہبی امور کی جانب چرچ کی بے توجہی کے نتیجے میں معرض وجود میں آئے تھا۔

کچھ جوانوں نے "یسوعی" نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور کام شروع کیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ روحانی حضرات لوگوں سے دور ہو گئے ہیں اور

انہوں نے اشراف گری اختیار کر لی ہے۔ وہ ایک خاص طبقے کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور لوگوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے نزدیک ہونے کی خاطر ادارے بنائے جو ثقافتی رنگ میں رنگے ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹیاں بنائی، اسکول تعمیر کیے اور پادریوں کی تربیت کی، جو پادری ہونے کے علاوہ عدالت میں وکیل بھی ہیں، انجینئر، ڈاکٹر، معلم، یونیورسٹی کے استاد، فیزیکس کے ماہر اور کیمیا دان بھی ہیں۔ ان کے اور لوگوں کے درمیان صرف ایک سفید کالر کا فرق ہے وگرنہ وہ بھی معمولی لباس پہنتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری اسپتالوں، دانشگاہوں، پروفیشنل اسکولوں، یتیم خانوں وغیرہ کی سرپرستی ہے۔

اگر میں آپ سے کہوں کہ سل کے مائکروب کے موجد "روبرٹ کخ" ایک پادری تھا آپ حیران نہ ہوں۔ اگر یہ کہوں کہ بہت سارے

جدید نظریات کے خالق پادری ہیں تو آپ تعجب نہ کریں۔

انہوں نے اس جذبے کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا؟

آکر مسائل کی لگام کو تھام لیا۔ وہی سر چشمہ جو اخبار اور احادیث کی رو سے "العلماء باللہ" کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تھا، انہوں نے اسی سر چشمہ کو تھام لیا۔ انجینئر، ڈاکٹر، وکیل، ریاضی دان، فیزیکس دان وغیرہ ---خدا جانتا ہے یہ لوگ اپنے اداروں میں کیا کچھ کرتے ہیں۔ آپ خیال نہ کریں کہ یہ لوگ دن دھاڑے عیسائی دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بلکہ اپنے علم، اخلاق، لوگوں کے ساتھ اپنائیت کے طریقے سے انہیں پھانس لیتے ہیں۔

میں نے گذشتہ سال "صیدا" کے رہنے والے "شفیق قاسم" نامی ایک سنی جوان کے ساتھ ۱۴ مرتبہ گفتگو کی ہے۔ یہ جوان لبنانی عیسائیوں

کے اسکول میں پڑھتا تھا اور جب اس کی کلاسیں ختم ہو گئیں اور اس نے بارھویں جماعت کی ڈگری حاصل کرلی وہ (اپنا دین چھوڑ کر) عیسائی ہو گیا ۔اس نے علی الاعلان اپنے عیسائی ہونے کا اقرار کیا۔ اس کے ماں باپ وحشت زدہ ہو گئے۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار میرے پاس آئے۔ کہنے لگے جناب عالی !" یہ دین اسلام سے خارج ہو گیا ہے آپ اس کا کوئی علاج کریں۔" ہم نے بھی گفتگو شروع کی۔ میں نے محسوس کیا کہ نہ صرف اس نے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے بلکہ لبنان کے اس عیسائی اسکول کی تبلیغ کے زیر اثر ایک کٹر اور مخلص عیسائی بن چکا ہے۔ ہمارے وہاں کئی معروف شیعہ جوان ہیں جنہوں نے عیسائی مذہب اختیار کیا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ عیسائی مذہب اختیار نہیں کرتے ہیں!

دنیا میں ان کی کئی ہزار یونیورسٹیاں ہیں۔ ایک عیسائی دینی ادارے کے پاس کئی ہزار یونیورسٹیاں ہیں! ان کے پاس دسیوں ہزار اسکول، اسپتال، یتیم خانے، پروفیشنل اسکول، مشورتی ادارے، جم خانے، فنکشن ہال اور اس سے ہزار گنا زیادہ سماجی ادارے ہیں! انہوں نے جو اعداد و شمار فراہم کئے ہیں اس کے مطابق ۳۰ کروڑ لوگوں کو تعلیم دی ہے۔

جناب عالی! جو بھی ہو جب ۳۰ کروڑ لوگ ناخواندگی سے علم کی دنیا میں آتے ہیں کچھ نہ کچھ تو ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان سب نے عیسائی مذہب اختیار تو نہیں کیا لیکن ان میں سے بہت سارے عیسائی بن چکے ہیں۔

چودہ پادریوں کی ایک جماعت تبلیغ کے لئے یوگنڈا گئی۔ یوگنڈا ایک افریقی ملک ہے۔ آپ نے یقیناً اسُ ملک کا نام سنا ہو گا۔ چودہ پادری وہاں

چلے گئے اور افریقی باشندے انہیں کھا گئے ! آپ کا کیا خیال ہے ؟ کیا انہوں نے اپنے مقصد سے ہاتھ کھینچ لیا ؟ جی نہیں ! چودہ تارک دنیا خواتین اور راہبہ بچیوں کو ان کی جگہ روانہ کیا اور وہ تبلیغ میں جٹ گئیں۔ اس وقت یوگنڈا میں عیسائیوں کی آبادی پچاس سال پہلے کی نسبت سو برابر ہو گئی ہے۔

فرانس کے ایک بڑے مستشرق" ماسینیون" نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "دنیائے اسلام کا کیلنڈر" ہے اور یہ کتاب ۱۹۴۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ماسینیون اس کتاب میں لکھتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں سیاہ فام افریقہ میں ۶۰ لاکھ لوگوں نے اسلام قبول کیا لیکن عیسائیوں کی تبلیغ اور ان کی کوششوں کے سبب ان کالوں میں سے دس لاکھ لوگ عیسائی بن گئے ۔وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آکر اسلام کی آبروریزی کی۔ کہا کہ ذرا آکر

دیکھیں یہ مسلمان کتنے پسماندہ ہیں؟ آکر دیکھیں ان کے ملکوں میں کودتا (فوج کا تختہ الٹنا) ہوتے ہیں۔ دیکھیں کہ یہ کتنے گندے ہیں! دیکھیں ان کی تعلیمی صلاحیت کتنی حقیر ہے؟ دیکھیں اس سارے عرصے میں ایک بھی علمی میڈل کسی مسلمان کو نہیں ملا ہے۔

اب اہل سنت کی بات کرتے ہیں

اس وقت سیاہ فام افریقہ ، لبنان اور دوسرے ممالک میں "الازہر" کے بے شمار مبلغ نظر آتے ہیں۔ جس شہر میں میری رہائش ہے وہاں پر ایک شخص رہتا ہے جس کا نام "شیخ محی الدین حسن" ہے۔ وہ الازہر کا فارغ التحصیل ہے اور وہاں پر اپنی دینی ذمہ داری انجام دے رہا ہے۔ صور کے اہل سنت کے ساتھ ساتھ اس علاقے میں فلسطینی پناہ گزینوں کا انتظام بھی اس کے ہاتھ میں ہے۔ نماز جماعت بھی پڑھاتا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی دیکھ بھال بھی کرتا ہے۔ ہمارے اہل سنت بھائی بھی شروع کر چکے ہیں۔ اس وقت جنوبی لبنان کے مختلف گاؤں میں ۱۸۰ سے زیادہ اسکول کھولے جا چکے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اسکول۔ شیعہ نشین دیہاتوں میں بھی۔ تعلیم

و تربیت کے اثرات سے آپ بخوبی آگاہ ہیں! میں اس وقت کچھ علاقوں میں ایسے دیہاتوں سے آگاہ ہوں کہ انہی مدارس کے نتیجہ میں ہمارے جوان تقریباً سنی بن چکے ہیں۔

کیا آپ کا خیال ہے کہ حقِ مطلق خود بہ خود اور کسی کوشش کے بغیر ہی آگے بڑھتا ہے؟ یہ بات غلط ہے! جناب عالی! میں روز "بدر" پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث آپ حضرات کے سامنے رکھتا ہوں۔ غور کریں! اس روایت سے آپ کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟ پیغمبر اکرمؐ اس دعا میں فرماتے ہیں:

"اللھم ان تھلک ھذہ العصابة فلن تعبد بعد"

یعنی اے خدا! اگر یہ لوگ مارے گئے پھر تیری عبادت نہیں ہو سکتی۔

حیرت کی بات ہے! پتہ یہ چلتا ہے کہ اگر دین خدا کے لئے محمدی لوگ، فدا کار اور (آنحضورؐ کے) اصحاب تکلیف نہیں اٹھاتے تو خدا کی عبادت نہیں ہوتی! کیا خدا کی عبادت سے بڑھ کر کوئی حقیقت ہے؟

اب ہم اطمینان کے ساتھ بیٹھ جائیں کہ جناب ہمارا دین حق ہے! ہمارا مذہب حق ہے اور خود بہ خود اپنی راہ بنا لے گا! یہ بات میری نظر میں صحیح نہیں ہے۔ بہر حال اگر ہم کوشش نہ کریں، یہی دین حق اور یہی مذہب حق جس انداز میں اس کو ترقی کرنی چاہیے، ترقی نہیں کر سکتا یا پھر سستی کے ساتھ آگے بڑھے گا۔

لیکن ہماری حالت !

جناب عالی ! وہ عیسائیوں کی داستان تھی اور یہ ہمارے دینی بھائیوں اہل سنت کی کہانی تھی ! اور اب ہم شیعیان علی مرتضیٰ (کا قصّہ) ۔ ہم ایسے لوگ ہیں جو دین خدا کے پاک ترین مذہب کے ماننے والے ہیں۔ ہماری حالت کا کیا کہنا ! ہمارا تنظیمی ڈھانچہ کیسا ہے ؟ میں کیونکہ یہاں پر بیٹھا ہوں اس لئے آزادی کے ساتھ اپنی بات کہہ سکتا ہوں۔ ورنہ اگر کوئی اور جگہ ہوتی اور اس ادارہ سے باہر (یہ پروگرام) ہوتا، یہ باتیں میری نظر میں غارتگر ہوتیں یعنی آپ کو مایوسی ہوتی۔

جناب عالی ! آپ مجھے ایک آدمی کا پتہ بتا دیں جو ایران میں روحانیوں کی تعداد سے باخبر ہو۔ آپ اپنے لوگوں کو نہیں پہچانتے پھر

آپ کیسے کام کریں گے !؟

دنیا میں شیعوں کی آبادی کتنی ہے ؟ذرا بتائیں

دنیا میں شیعہ علماء کی تعداد کتنی ہے ؟ذرا بتائیں !

ایران میں علماء کی تعداد کتنی ہے ؟ذرا بتائیں ! ان کی تعلیمی صلاحیت کیا ہے ؟

ایران میں کتنی مسجدیں ہیں ؟ مختلف علاقوں میں کام کرنے والے علماء کی کیا صلاحیتیں ہیں ؟ان کے آپس میں رابطہ کی نوعیت کیا ہے ؟اگر ان میں سے کوئی مریض یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے اس کی کیوں کر مدد ہو سکتی ہے ؟ مگر یہ سب کیسی باتیں ہیں !؟

جناب عالی ! ہم کہاں پر زندگی گذارنے کا ارادہ رکھتے ہیں ؟کون سی دنیا میں ؟اس کا نتیجہ آپ جانتے بھی ہیں یا نہیں ؟ نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف

عیسائی ہم سے بازی لے جائیں گے، یہودی ہم سے جیت جائیں گے بلکہ اہلسنت بھی ہم سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم بھی خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں کہ (جناب عالی!) یہ کیسے ممکن ہے کہ علی مرتضیٰ کا شیعہ اپنے مذہب کو چھوڑ دے۔ جی جناب عالی! میں نے دیکھا ہے کہ شیعہ عیسائی ہو گیا، میں نے دیکھا کہ شیعہ سنی بن گیا! دیکھا کہ شیعہ وہابی ہو گیا! شاید آپ نے بھی دیکھا ہو یا شاید نہ دیکھا ہو۔ یہاں پر بہت ہی سکون قلب کے ساتھ بیٹھے ہیں اور اپنی حقانیت پر راضی ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مسئلہ حل ہے! کیسے مسئلہ حل ہے؟ جناب عالی! کیا تبلیغ اور سعی و محنت کے بغیر آگے بڑھنا ممکن ہے؟

کم از کم ہم اپنی ہی مسجد کو سنبھالیں۔ اپنی تبلیغ کو منظم کریں۔ اپنی دعوت میں ہماہنگی پیدا کریں۔

جناب عالی ! میں اس منبر کے پاس بیٹھتا ہوں تو ایک بات سنتا ہوں، دوسرا منبر کچھ اور ہی کہتا ہے اور تیسرا ایک نئ بولی بولتا ہے۔ میں اس ضدم ضدا تبلیغ کے ماحول میں کس طرح اپنے ایمان کی تصدیق کروں اور اسے جلا بخشوں ؟ یہ کسی بھی حال میں ممکن نہیں ہے۔

ہم حقیقت میں محو خواب ہیں ! یہ کام جو اس وقت ہم کرنا چاہتے ہیں ۵۰ سال پہلے یا ڈیڑھ سو سال پہلے شروع ہونا چاہیئے تھا۔ ہمارے بچوں کو ہماری پنڈال سے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میں اصفہان اور شیراز میں دیکھ چکا ہوں کہ بہائیوں کی تبلیغ میں بہت زیادہ وسعت اور نظم آ چکا ہے۔ ۹ نفری جماعتوں کے ساتھ تفریحی دورے اور دوسری سرگرمیاں۔

جناب عالی ! ان لوگوں سے مقابلے کے لئے تیار ہونا ہے۔ اگر ہم اس دنیا کے فرزند ہیں جس میں " والسماء رفعھا و وضع المیزان " کی بنیاد پر ہر

چیز منظم ہے۔ اگر ہم منظم نہیں ہوتے تو نابودی ہمارا مقدر ہے اور اس دنیا کے فرزند بھی نہیں ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں جہاں ہر چیز نے ادارے کی شکل اختیار کر لی ہے، خود کو منظم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اب آپ یہ نہ کہیں کہ نجف کی ذمہ داری بنتی ہے، 'الف' کو یہ کام کرنا چاہیئے یا 'ب' کو یہ کام کرنا چاہئے۔ ہم سب ذمہ دار ہیں۔ ہم سب کو ایسے مقصد کے لئے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانا چاہئے۔ ہم منظم کام کریں۔ علاقوں کو تقسیم کریں۔ اپنے گاؤں، شہروں، علاقوں، جو علماء وہاں پر ہیں، پسماندگی اور ترقی کی صورتحال کے بارے میں اعداد و شمار اور صحیح اطلاعات حاصل کریں۔ البتہ ابھی ہمیں اس کی امید نہیں ہے کہ ادارے بن جائیں، مدرسوں کی بنیاد ڈالی جائے، ہسپتالوں کی تاسیس ہو، کلینک بنائے جائیں اور پروفیشنل اداروں کی تعمیر ہو۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ سونے

پر سہاگہ ہے۔امید ہے کہ ایسا ہی ہو۔لیکن سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ دعوت میں ہماہنگی ہو۔

اب اگر ایسی تنظیم بن جاتی ہے! اگر یہ تال میل پیدا ہو جاتا ہے! اگر ایسا کوئی صحیح طریقہ کار اختیار کیا گیا تو اس وقت ہم صحیح معنوں میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔اپنی بات کے آخر میں جیسے کہ نظامی کا کہنا ہے "حلوای پسین وملح اول" آپ کی خوش ذوقی کے لئے عرض کروں کہ اگر ہم منظم صورت میں کام کریں؛ بہت جلد اور بہتر انداز میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ہمارا دین، دین حیات ہے

یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسے پاکیزہ دین سے متعلق ہے جس کا کہنا ہے کہ:

اگر آپ کسان ہیں تو عابد ہیں اور ساجد ہیں۔ اگر اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں، خدا کی عبادت ہے۔ اگر بازار میں ایمان داری سے تجارت کرتے ہیں، خدا کی عبادت ہے۔ یہ ایک ایسا دین ہے کہ جو ہمیشہ اور ہر جگہ اور ہر حال میں انسان کو خدا کی یاد میں دیکھنا چاہتا ہے اور کسی بھی چیز کو خدا کی یاد اور ذکر کے خلاف نہیں جانتا۔ اس دین کے مقابلے میں عیسائیوں کا دین ہے کہ جس میں عبادت کلیسا اور کچھ خاص شرائط کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ایک نیا پادری ہے۔اس کا نام "فیلا ردوشارمان" ہے اور بڑے علماء میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

اس پادری نے آکر یہ مسئلہ چھیڑ دیا کہ عبادت صرف یہ نہیں ہے کہ عیدکرسمس کی رات اور حضرت عیسیٰ کی ولادت کے موقع پر مخصوص قسم کی خمیر کو ایک مخصوص پانی کے ساتھ مخلوط کر کے پیا جائے۔عبادت فقط اس کا نام نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اگر آپ پتھر اٹھاتے ہیں اور کسی سڑک کو صاف کرتے ہیں، یہ بھی عبادت ہے۔ جب اس نے یہ باتیں کی ، اس کی کتابوں پر پابندی لگ گئی اور کافی عرصہ تک کوئی پڑھنے والا نہ تھا۔ اب آہستہ آہستہ کفر کی لیبل فیلاردو پادری کے چہرے سے ہٹائی جا رہی ہے حالانکہ ہمارے پیغمبرؐ نے تیرہ

سو سال پہلے ابو ذر سے فرمایا تھا کہ:

"سونے اور کھانے میں بھی قربت (خدا) کی نیت کرو"

ہمارا دین حقیقت میں زندگی کے لئے ہے۔ ہمارا دین فیکٹری میں، اسکول میں، ہسپتال میں، کھیت میں، بازار میں بلکہ ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہ دین ہی ہے جو زندگی کی خصوصیت سے مالا مال ہے یہاں تک کہ ہماری عبادت بھی اس خصوصیت سے خالی نہیں ہے۔

مجھے امید ہے کہ اس دین کی حقانیت اور ان عزیز بھائیوں کے پاک و پاکیزہ قلوب کے صدقے میں جو اپنی پاک اور مطہّر روح کے ساتھ دنیا کی ہر چیز کو پیچھے چھوڑ آئے ہیں، ہم اس حقیقت کو ایک منظم اور موزوں شکل میں دنیا کے سامنے پیش کر سکیں تا کہ مختصر وقت میں اس چار پانچ سو سالہ پسماندگی کی تلافی کر سکیں۔ "آمین"

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے لوگو! قسم خدا کی میں تمہیں کسی چیز کی پیروی کا حکم نہیں دیتا مگر یہ کہ میں تم سے پہلے اس پر عمل کرتا ہوں اور تمہیں کسی نافرمانی سے نہیں روکتا ہوں مگر یہ کہ میں تم سے پہلے اس چیز سے دوری اختیار کرتا ہوں"

No..................Date..........
Section..................Status..........
D.D. Class..................................
NAJAFI BOOK LIBRARY

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا (اقبال)

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

ROLE MODELS

IMAM MUSA SADR

مثالی لوگ

☆......ایسے لوگوں کی داستان زندگی ہے جنہوں نے ایسی ماؤں کی آغوش میں تربیت پائی جہاں سختیاں تھیں اور زندگی کی سہولیات میسر نہ تھیں مگر ان کا دامن کردار کی پاکیزگی اور حیا و عفت سے مالا مال تھا ان غربت کدوں میں مائیں بچوں کو دودھ پلانے سے پہلے دل کو ذکر خدا اور روح کو وضو سے منور کرتی تھیں۔

☆......مثالی لوگ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے غربت، نامساعد حالات اور سختیوں کے ساتھ جنگ کر کے علم و دانش، ایمان و اخلاق اور کمالات کی چوٹیوں تک رسائی حاصل کی۔

☆......مثالی لوگ، ان لوگوں کی داستان زندگی ہے جن کا سرمایہ ایمان، خدا پر توکل، پرہیزگاری اور سحر خیزی تھا، جن کی راتیں آہ سحر اور خالق کے ساتھ راز و نیاز سے بھری رہتی تھیں، جن کے دن خلق خدا کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی میں گزر جاتے تھے۔

☆......مثالی لوگ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا اور خلق خدا کے دشمنوں کے ساتھ اس وقت علم جہاد بلند کیا جب مصلحت کی چادر اوڑھ کے اپنے مفادات کا بچاؤ بڑی چالاکی اور ہوشیاری سمجھا جاتا تھا اور دین و خلق خدا کے دشمنوں کے ساتھ پنجہ آزمائی حماقت مانی جاتی تھی، وہ لوگ جنکی زندگی خلق خدا کے لئے شبنم اور ان کے دشمنوں کے لئے دل دہلا دینے والا طوفان تھی۔

☆......مثالی لوگ، گفتار و کردار کے ان غازیوں کی داستان ہے جو کہتے کم تھے اور کرتے زیادہ تھے، جو اسلام کے سب سے بڑے مبلغ تھے، لیکن زبانی نہیں عمل و کردار سے اسلامی اقدار کی عظمتوں کا اعلان کرتے تھے۔

☆......مثالی لوگ، وہ لوگ ہیں جنہوں نے نرم بستر پر آرام کے بجائے میدان عمل میں اسلام کی ترویج اور خلق خدا کی ہدایت کی خاطر دردر کی ٹھوکریں کھائی۔

☆......یہ وہ خون جگر پینے والے لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے جیالوں کے حوصلے بلند رکھے، ان کی ہمتیں باندھیں اور ان کا عمل آج بھی ہمیں تاریکیوں میں روشنی دے رہا ہے اور ان کی روح آواز دے رہی ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

نشر شاهد

تهران • خیابان آیت‌الله طالقانی • خیابان ملک‌الشعرای بهار شمالی ۳

www.shahed.isaar.ir(www.navideshahed.com)